سلسلہ مطبوعات ندوۃ المصنفین

۱۴۸

آثار و اخبار

دس علمی، دینی، تاریخی مقالات کا مجموعہ

جلد اول

از

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

باہتمام عمید الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی - ۶

سلسلۂ مطبوعات ندوۃ المصنفین

(۱۴۸)

آثار و اخبار

چار علمی، دینی تاریخی مقالات کا مجموعہ

جلد اوّل

از

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

باہتمام عمید الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین اُردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

طبع اول عکسی

قیمت عمدہ مجلد ریگزین پینتالیس ۴۵ روپے

ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۹ھ نومبر سنہ ۱۹۸۸ء

تعداد پانچ سو ۵۰۰

مطبوعہ :- فوٹو آفسٹ پرنٹرس دہلی

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

حضرت مفتی صاحب مرحوم نے نصف صدی سے زائد مدت تک ندوۃ المصنفین کو مقصد ہستی قرار دے کر اسلامی علوم وفنون کی جو خدمت انجام دی ہے، اس کی نظیر ان کے معاصرین میں مشکل ہی سے ملے گی، اس مدت میں تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں اسلامی اور دینی موضوعات پر شائع کیں، اور اسلامی تاریخ وثقافت پر کتابوں کا انبار لگا دیا، حوادث وفتن کے سیلاب آئے، مالی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا، نشر واشاعت میں مشکلات پیدا ہوئیں، مگر حضرت مفتی صاحب مرحوم ہمت وحوصلہ سے کام لے کر ندوۃ المصنفین کو آگے بڑھاتے رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اور ندوۃ المصنفین لازم وملزوم سے ہو کر رہ گئے تھے، ان کے لئے علمی و دینی میدان کی وسعتیں آغوش کھولے ہوئے تھیں مگر انھوں نے ندوۃ المصنفین کا گوشہ نہیں چھوڑا، یہ ان کے ایثار واخلاص اور خدمتِ علم کی سب سے بڑی سند ہے،

اب اس ادارہ کو آگے بڑھانے اور باقی رکھنے کی سبیل کیا ہوگی؟ ایسے ادارے روز روز قائم نہیں ہوا کرتے، اور ایسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتی ہیں، اس کے باوجود بہر حال ادارے چلتے ہیں اور شخصیتیں سامنے آتی ہیں، ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ علمی اور دینی ادارہ باقی رہنا چاہئے، ضرورت ہے کہ ندوۃ المصنفین کے کاموں کو آگے بڑھانے کے لئے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی علوم وفنون کے اس عظیم ادارہ کو تادیر جاری وساری رکھے اور اس کے ذریعہ اسلامی تاریخ و ثقافت کا خزانہ مالامال ہو،

(عمید الرحمٰن عثمانی) ناظم ندوۃ المصنفین دہلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوٰۃ
والسلام علی النبی الکریم سیدنا ونبینا ومولانا محمد
وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین ــــــــــ

یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے۔ ابتدار کے تین مقالات "آل عبدالرحمن بیلمانی" "آل ابو معشر سندی مدنی" اور "آل مقسم قیقانی بصری" کا تعلق قدیم اسلامی ہند کے علمی و دینی خانوادوں سے ہے۔ جن میں صدیوں تک علم دین کی سیادت و امامت باقی رہی، چوتھا مقالہ امام ابوالحسن مدائنی کے سوانح پر ہے جو اسلامی ہند کے پہلے مورخ اور یہاں کے احوال و کوائف کے مشہور عالم ہیں۔ ایک مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث اموی تک" کے عنوان سے ہے، یہ پانچوں مضامین اگرچہ اسلامی ہند سے تعلق رکھتے ہیں، مگر اسلامی علوم و فنون سے ان کا گہرا علاقہ ہے۔ "امام ابو حفص ابن شاہین بغدادی" پر ایک مضمون ہے، اس کے بعد علم حدیث سے متعلق دو نادر اور اہم کتابوں پر تبصرہ ہے۔ ایک مضمون "فقہ اسلامی کی تدوین و تاریخ" پر ہے اور آخر میں "قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک" کے عنوان سے ایک مضمون ہے جو میری طالب علمی سے متعلق ہے اس طرح یہ کتاب مستقل تالیف و تدوین نہیں بلکہ مقالات کا مجموعہ ہے، ان شاء اللہ یہ مجموعۂ مضامین اپنے قارئین کی دینی و علمی معلومات میں قابل قدر اضافہ کا باعث ہوگا، آخری مضمون میں ناظرین کو کچھ "انا" اور "تعلّی" معلوم ہو تو گذارش ہے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ اس سے

مدارس عربیہ کے عزیز طلبہ کی تشجیع و ہمت افزائی مقصود ہے جس کا اظہار آخر میں کر دیا گیا ہے، میں نے اپنی کتابوں کے لئے کسی بزرگ سے مقدمہ یا پیش لفظ لکھنے کی خواہش کبھی نہیں کی یہ بات میری افتاد طبع سے میل نہیں کھاتی، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب (متوفی ۱۰ر شعبان ۱۴۰۴ھ ۱۲ر مئی ۱۹۸۴ء) رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ لکھ دیا کرتے تھے وہ میرے لئے بہت تھا، افسوس آج جبکہ میری یہ نویں کتاب ندوۃ المصنفین سے شائع ہو رہی ہے حضرت مفتی صاحبؒ کی چند پر خلوص سطروں سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ عزیزی مولوی عمید الرحمن عثمانی سلمہ اللہ کو توفیق دے کہ وہ اپنے والد مرحوم کی علمی خدمات کا سلسلہ بحسن و خوبی جاری رکھیں۔ اور ندوۃ المصنفین کے کاموں کو اپنی بہترین صلاحیت سے آگے بڑھائیں۔ کتاب کا حصہ اول شائع ہو رہا ہے، انشاء اللہ عنقریب دوسرا حصہ بھی شائع ہوگا۔

قاضی اطہر مبارک پوری

یکم محرم الحرام ۱۴۰۵ھ ، ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۴ء

آل عبدالرحمٰن بیلمانیؒ

ایک قدیم ترین ہندی الاصل علمی خانوادہ

صدر اوّل میں ہندوستان کے جو غلام خانوادے عرب میں جاکر دینی علوم و معارف میں امامت و سیادت کے مالک ہوئے اور جن میں صدیوں تک ائمۂ دین اور علماء و محدثین پیدا ہوتے رہے ان میں تین خانوادے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں (۱) آلِ عبدالرحمٰن بیلمانی، جس میں عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی، حارث بیلمانی، محمد بن حارث بیلمانی، محمد بن ابراہیم بیلمانی وغیرہ پیدا ہوئے (۲) آل ابومعشر نجیح سندھی، جس میں ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی صاحب المغازی، محمد بن ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی، داؤد بن محمد بن ابومعشر سندھی، حسین بن محمد بن ابومعشر سندھی وغیرہ گذرے ہیں۔ (۳) آل ابراہیم بن مِقسم قیقانی، جس میں اسمٰعیل بن ابراہیم بن مِقسم ربعی بن ابراہیم بن مِقسم اسحاق بن ابراہیم، ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مِقسم وغیرہ علمی و دینی امامت و سیادت کے وارث ہوئے ہیں اور سب کے سب ابن عُلیۃ کی کنیت سے مشہور ہوئے۔

ان تینوں خانوادوں میں سے ہم صرف امام ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن صاحب المغازی کو جانتے ہیں کیونکہ علمائے رجال و طبقات نے ان کا تذکرہ سندھی کی نسبت سے کیا ہے دوسرے افراد اور خاندان کا تذکرہ ہندوستان کی علاقائی نسبت سے نہیں آیا ہے اور

اگر آیا ہے تو ہم خود اپنے ملک کے اس علاقہ اور مقام سے ناواقف ہیں اس لئے انکی طرف سے ہمیں لاعلمی رہی، چنانچہ "بیلمانی" کی نسبت اسی قسم کے علاقہ کی طرف ہے جس سے ہم واقف نہیں ہیں، حالانکہ بیلمانی ہندوستان کا مشہور مرکزی مقام ہے جو صدیوں تک دار السلطنت رہا ہے، اور اسی مقام کی طرف بیلمانی علمار منسوب ہیں۔ آج ہم ان ہی بیلمانی علمار کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان ہرسہ قدیم ترین علمی خانوادے میں اقدم ہیں۔

بیلمان (بھیلمان، سوراشٹر)

بیلمان بھیلمان کا معرب ہے جو سوراشٹر (گجرات) کے علاقہ کچھ کاٹھیاوار میں ایک دور میں مشہور بندرگاہ اور مرکزی شہر تھا، اور قدیم زمانہ میں اس علاقہ کی حکمران قوم بھیل اس کے بعد قوم گوجر کا دار السلطنت رہ چکا تھا، جیسا کہ گجرات اور سوراشٹر کی تاریخوں میں عام طور سے اسی حیثیت سے اس کا تذکرہ ملتا ہے، مشہور جغرافیہ نویس ابوالقاسم عبید اللہ بن احمد بن خرداذبہ مولی خلیفہ معتمد متوفی حدود ۳۰۰ھ نے اپنی کتاب المسالک والممالک میں بلاد سندھ میں بیلمان کو شمار کیا ہے بلاد السند میں چند شہروں کے نام درج کر کے علاقہ گجرات و سوراشٹر میں اس کا نام یوں لکھا ہے . . . . . . وسندان، والمندل والبیلمان وسوست، والکیرج ومرمد، وفالی، ودھنج وبروص[1] آج بھی اس علاقہ میں بیلیم نامی ایک ذات پائی جاتی ہے جو اس قدیم شہر کا پتہ دیتی ہے مرآت مصطفیٰ آباد (تاریخ جوناگڑھ) کے مصنف نے لکھا ہے:

> "گجرات اور کاٹھیاوار میں مسلمانوں کی بیلیم ایک ذات ہے اور ظرافت میں ان کو کبھی کبھی بیلیم بادشاہ بھی کہتے ہیں جس طرح سیدیوں کو کہتے ہیں[2]

[1] المسالک والممالک ص ۵۷ [2] مرآت مصطفیٰ آباد حاشیہ ص ۵۲

نیز گجرات اور سوراشٹر کی اسلامی فتوحات میں بیلمان (بھیلمان) کی فتح کا تذکرہ بلاذری اور یعقوبی جیسے قدیم اور ثقہ مورخوں اور فتوحات نویسوں نے کیا ہے جیساکہ آگے آرہا ہے البتہ بعد کے جغرافیہ نویس یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ نے اسے مشتبہ سمجھ کر ہندوستان یا یمن کا شہر بتایا ہے مگر قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ اس کا محل وقوع کہاں ہے یاقوت کا پورا بیان یہ ہے:

بیلمان، موضع تنسب الیہ السیوف البیلمانیۃ، ویشبہ ان یکون من ارض الیمن وفی کتاب فتوح البلدان للبلاذری: البیلمان من بلاد السند والهند تنسب الیها السیوف البیلمانیۃ (معجم البلدان ج ۲ ص ۲۴۱)

بیلمان ایک مقام ہے جس کی طرف بیلمانی تلواریں منسوب ہیں بہت ممکن ہے کہ یہ مقام سرزمین یمن میں ہو اور بلاذری کی فتوح البلدان میں ہے کہ بیلمان سندھ اور ہندوستان میں ہے جس کی طرف بیلمانی تلواریں منسوب ہیں۔

بیلمان کو سرزمین یمن سے بتانے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی جو کہ مشہور راوی حدیث اور تابعی ہیں اور جن کے خاندان میں کئی علماء گذرے ہیں وہ یمن کے علاقہ نجران میں رہتے تھے۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے وکان ینزل بنجران، اسی سے یاقوت نے اندازہ لگایا ہوگا کہ بیلمان بھی نجران کے آس پاس کوئی مقام رہا ہوگا مگر یہ اندازہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابن خرداذبہ، اصطخری، مسعودی، مقدسی بشاری وغیرہ میں سے کسی نے یمن میں بیلمان نام کی کسی بستی کا تذکرہ نہیں کیا ہے، جب کہ بلاذری، اور یعقوبی نے عہد ہشام میں گجرات کی فتوحات میں فتح بیلمان کا تذکرہ کیا ہے، اور خود یاقوت نے بلاذری کے حوالہ سے اسکو ہندوستان میں بتایا ہے۔

اس سلسلہ میں سیوف بیلمانیہ کا ذکر توجہ طلب ہے ہندی تلواریں مختلف ناموں سے عرب میں مشہور تھیں جن میں سیوفِ قلعیم اپنی جوہریت کی وجہ سے خاص شہرت رکھتی تھیں

اور یہ جنوبی ہند کے ساحلی شہر کلہ میں بنتی تھیں یا یہاں کے لوہے سے عرب میں تیار کی جاتی تھیں البتہ گجرات کے شہر بھڑوچ کے نیزے (القنا البروصی) عرب میں مشہور تھے، بھیلمان کی بندرگاہ سے ہندوستان کی تلواریں عرب میں جاتی رہی ہونگی جو سیوفِ بیلمانیہ کے نام سے مشہور رہی ہوں گی، جس طرح یہاں کی ایک بندرگاہ خور نوفل سے عمدہ قسم کے نیزے اور تلواریں جایا کرتی تھیں اور اسی کی طرف منسوب ہوکر جودت و عمدگی میں مشہور تھیں۔[1]

بھیلمان کی فتح ہندوستان کی اسلامی فتوحات میں سب سے پہلے بھیلمان کا ذکر اموی خلافت میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں آیا، جب کہ ۱۰۵ھ کے بعد حاکم سندھ جنید بن عبدالرحمٰن مری نے گجرات اور سوراشٹر کی فتوحات کے ضمن میں اسے بھی فتح کر لیا۔

صورت یہ ہوئی کہ ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہشام نے جنید بن عبدالرحمٰن مُرّی کو سندھ کا حاکم بنایا، جنید نے آتے ہی سندھ کے راجہ جے سیہ سے جنگ کی، راجہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر ہندوستان کی طرف بھاگا، اور سندھ سے متصل علاقہ گجرات میں آکر آمادۂ جنگ ہوا۔ جنید بن عبدالرحمٰن بھی بحری بیڑا لے کر اس کے مقابلہ میں آیا اور دونوں کے درمیان بطیحۂ شرقی (غالباً آبنائے رَن کچھ کے مشرق) میں جنگ ہوئی جس میں راجہ جے سیہ گرفتار ہوکر قتل ہوا۔ اِدھر سے فرصت پانے کے بعد جنید نے گجرات کے مقام کیرج (کھیڑا؟) کی بغاوت فرو کی، ان دونوں مہمات میں کامیابی سے جنید کا حوصلۂ فتح بہت بڑھ گیا، اور اس نے موجودہ مدھیہ پردیش، گجرات، سوراشٹر اور راجپوتانہ کے علاقوں میں اپنے امراء سے فوج کشی کرائی۔ اور زبردست فتوحات حاصل کیں۔ بلاذری نے

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۱۸۴

ان ہی فتوحات کو بیان کرتے ہوئے بھیلمان کا تذکرہ کیا ہے۔

ووجه العمال الی مرمد، و المندل، و دهنج، وبروص . . . . . ووجه الجنید الی ازین، ووجه حبیب بن مرة فی جیش الی ارض المالیة، فاغاروا علی ازین وغزوا بمرمد نخرقوا ربضها . . . . . . وفتح الجنید البیلمان والجزر [1]
. . . . . .

جنید نے مرمد، مندل (جھالاواڑ کلاں) دھنج (گجرات) اور بھڑوچ کی طرف فوجی امرار روانہ کئے، نیز انھوں نے اُجین کی طرف مہم روانہ کی اور حبیب بن مرہ کو ایک فوج دے کر سرزمین مالوہ کی طرف بھیجا، چنانچہ اجین پر حملہ ہوا اور مرمد میں جنگ کرکے بیرون شہر آتش زنی کی نیز جنید نے بھیلمان اور گجرات کو فتح کیا۔

یعقوبی نے بھی مذکورہ بالا مقامات کی فتوحات کا تذکرہ اسی طرح مختصر انداز میں کیا اس نے اور ابن خردادبہ نے بھیلمان کے ساتھ سرست (سورٹھ، سوراشٹر) کا نام بھی لیا ہے جس سے بھیلمان کے محل وقوع پر مزید روشنی پڑتی ہے، بلاذری نے بھیلمان کے ساتھ جزر (گجرات) کا ذکر کیا تھا، یعقوبی کا بیان یہ ہے:

فوجه بعماله الی المرند (المرمد) والمندل، ودهنج وبروص وسرست، والبیلمان، والمالیة وغیرها من البلاد [2] . . . . . .

جنید نے اپنے فوجی افسروں کو مرمد، مندل، دھنج، بھڑوچ، سورٹھ، بیلمان، مالوہ اور دوسرے شہروں کی طرف روانہ کیا۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۹ و ۴۳۰ و کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۵۰۔
[2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۹۔

بھیلمان اور اس کے پاس کی یہ پہلی فتوحات ۱۰۵ھ اور ۱۱۰ھ کے درمیان ہوئی ہیں۔ آل بیلمانی اس سے بہت پہلے یمن کے علاقہ نجران میں آباد ہو چکے تھے کیونکہ اس کے سب سے پہلے بزرگ حضرت عبدالرحمن بن البوزید بیلمانی رح خلیفہ ولید بن عبدالملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے دور خلافت میں انتقال کر چکے تھے، جو نجران میں رہتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام تھے اس خاندان کے ابتدائی حالات کے بارے میں عبدالرحمٰن بن البوزید کے تذکرہ میں کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

یہ خاندان یمن کے صوبہ نجران میں کسی مقام پر پہلے سے آباد تھا؛ اس کے بارے میں قطعی علم نہیں۔ البتہ بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ لج کے آس پاس اس کا مسکن تھا لج کے باشندوں میں اوس بن عمرو قاتل الجوع بہت مشہور اور معزز و محترم شخص تھا، جس کے بارے میں عبدالرحمن بن بیلمانی کا یہ شعر ہے:

الَا إنَّ اوسًا قاتلَ الجُوعِ قد مضیٰ

وَورّث عزًّا لاتنال اطاولہ[۱]

اوس بن عمرو قاتل الجوع دنیا سے گذر گیا اور اس نے ایسی عزت چھوڑی ہے جس کی بلندیوں تک پہونچنا مشکل ہے،

اس شعر سے عبدالرحمن بن بیلمانی اور اوس بن عمرو قاتل الجوع کے درمیان وطنی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن البوزید بیلمانی رح ان کا سب سے قدیم تذکرہ طبقات ابن سعد میں اس طرح ہے:

---

۱ صفۃ جزیرۃ العرب ہمدانی ص ۷۹ ،

عبد الرحمن بن البیلمان، من الاخماس، اخماس عمر بن الخطاب، وقال عبد المنعم بن ادریس: کان من الابناء الذین کانوا بالیمن، وکان ینزل نجران، وتوفی فی ولایۃ الولید بن عبد الملک[1]	عبد الرحمن بن بیلمانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخماس میں سے ہیں، عبد المنعم بن ادریس نے کہا ہے کہ وہ فارس کے ابناء میں سے تھے جو یمن میں تھے اور نجران میں قیام کرتے تھے، انکا انتقال ولید بن عبد الملک کے دور خلافت میں ہوا۔

حافظ ابن حجر نے ابو حاتم رازی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عبد الرحمن بن ابو زید ہی عبد الرحمن بن بیلمانی ہیں[2]

اس بیان کی روشنی میں آل بیلمانی کے بارے میں حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱) وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور موالی العتاقہ تھے (۲) ان لوگوں میں سے تھے جن کو کسریٰ نے سیف بن ذی یزن کے ساتھ یمن روانہ کیا تھا یا جو یمن پر کسرائی غلبہ کے بعد وہاں جاکر آباد ہو گئے تھے، یمن پر فارس کا قبضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں ہوا تھا (۳) وہ یمن کے علاقہ نجران میں رہتے تھے (آج کل یہ علاقہ سعودی عرب میں ہے) (۴) اس خاندان کے سب سے پہلے عالم و محدث حضرت عبد الرحمن کی وفات پہلی صدی کے آخر میں ہوئی۔

یہ مسلّم ہے کہ قدیم زمانہ سے یمن میں حبشیوں کی طرح ہندیوں کی بھی بہت بڑی تعداد آباد تھی چنانچہ جب یمن کے بادشاہ سیف ابن ذی یزن نے کسریٰ کے دربار میں حاضر ہو کر یمن پر حبشیوں کے استیلاء و غلبہ کی شکایت کی اور کہا کہ کالے لوگوں نے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۳۶ بیروت

[2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۹

ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا تو کسریٰ نے پوچھا کون کالے لوگ حبشی یا سندھی ؟ اس پر سیف بن ذی یزن نے حبشیوں کا نام لیا[1] ہو سکتا ہے کہ اسی دور میں بھیلمان کا یہ خاندان بھی یمن میں جا کر آباد ہو گیا ہو مگر عبد المنعم بن ادریس[2] کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان ابنائے یمن میں سے تھا یعنی نوشیرواں کسریٰ کے زمانہ میں یمن گیا جبکہ کسریٰ نے سیف بن ذی یزن کی فریاد پر اپنے حاکم کو اساورہ اور رسالہ سواروں کی بھاری جمعیت کے ساتھ یمن پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، اور اس کے بعد ایرانیوں کے ساتھ ہندوستانیوں کی ایک جماعت بھی یمن میں جا کر آباد ہو گئی چنانچہ ان ہی میں ایک بزرگ حضرت بیرزطن ہندی یمن میں تھے، جو وہاں حشیش کے ذریعہ علاج کرتے تھے، اور عہد رسالت میں مسلمان ہوئے۔[3] پھر چونکہ شاہان ایران کا عمل دخل، سندھ، مکران، قیقان، کشمیر اور ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقوں پر سرندیپ تک جاری تھا، اور یہاں کے راجے مہاراجے انکے باج گذار تھے، اس لئے ان علاقوں کے باشندے ایران کے علاوہ عرب ایرانی مقبوضہ علاقوں میں آزادانہ آتے جاتے تھے، بلکہ ان میں ہندوستانیوں کی مستقل بستیاں اور آبادیاں ہو گئی تھیں، یمن میں کسریٰ کے آخری حکمران حضرت باذان رضی اللہ عنہ کو بعض علماء نے بلک الہند بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی حکمران خاندان سے تھے، یا ہندوستان سے ایران جا کر کسی مقام کے حاکم ہو گئے تھے پھر کسریٰ نے ان کو یمن کی حکومت دی، ایسے ایرانی باشندوں کو جو کسریٰ کے دورِ اقتدار میں یمن میں

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳ کتاب التیجان ص ۳۰۴ تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۶ و ص ۱۱۸

[2] عبد المنعم بن ادریس بن سنان بن ابنۃ وہب بن منبہ متوفی ۲۲۸ھ یمن کے اخباری ونسابہ ہیں سو سال سے زائد تک زندہ رہے۔ کتاب المبتدا ان کی تصنیف ہے (فہرست ابن ندیم ص ۱۳۸)

[3] اصابہ ج ۱ ص ۱۷۸

جا کر مستقل آباد ہو گئے، عرب ابنائے یمن کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ان یمنی ابناء میں متعدد صحابہ اور تابعین و محدثین گذرے ہیں چنانچہ صحابہ میں حضرت وبر بن یخنس، حضرت باذان، حضرت فیروز دیلمی، حضرت داذویہ رضی اللہ عنہم ابنائے یمن سے ہیں اور تابعین و محدثین میں حضرت ضحاک بن فیروز، حنش بن عبداللہ صنعانی، وہب بن منبہؒ، ہمام بن منبہؒ، معقل بن منبہؒ، عمر بن منبہ، عطار بن مرکبوذ، مغیرہ بن حکیم صنعانی، زیاد بن شیخ صنعانی، یوسف بن یعقوب، بکار بن عبداللہ بن سہوک جُندی، عبدالصمد بن معقل بن منبہ، ہشام بن یوسف، وغیرہ ابنائے یمن میں سے ہیں[1] اور ان ہی میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی نجرانی بھی تھے، جن کے آبار و اجداد میں سے کوئی عربوں کے قاعدہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے خُمس میں تھے، اسلام سے پہلے مشہور و معزز قبائل مقامی اسواق کے تاجروں اور فاتحوں کے مال غنیمت سے خُمس وصول کیا کرتے تھے، جو مال، سامان اور غلام وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بیلمانی اجلہ تابعین میں سے ہیں، جن جلیل القدر صحابہ سے انھوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن اوس، حضرت عمرو بن عبسہ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت سرق، حضرت عثمان، حضرت سعید بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم، نیز تابعین میں نافع بن جبیر بن مطعم اور عبدالرحمٰن الاعرج سے روایت کی ہے اور عبدالرحمٰن بیلمانی سے ان کے لڑکے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی کے علاوہ یزید بن طلق، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، خالد بن ابوعمران، سماک بن فضل، ہمام والد عبدالرزاق صنعانی اور ایک جماعت نے روایت کی ہے[2]، عبدالرحمٰن بیلمانی کی

---

[1] ان حضرات کے حالات کے لئے طبقات ابن سعد جلد ۵ ملاحظہ ہو۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۹

مرویات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں چنانچہ جامع ترمذی میں یہ حدیث ان سے روایت ہے من حج ھذا البیت او اعتمر فلیکن آخر عھدہ بالبیت اور سنن نسائی میں حضرت عمرو بن عبسہ کے مکہ مکرمہ میں اسلام لانے اور وطن چلے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہونے کا پورا واقعہ ان سے مروی ہے، نیز دیگر کتب حدیث میں ان کی روایات موجود ہیں، ابن ابو حاتم رازی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن بیلمانی مولیٰ عمر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث کا سماع کیا ہے اور ان سے سماک بن فضل، زید بن اسلم اور ربیعہ نے روایت کی ہے[1]۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ مگر ابو حاتم رازی نے ان کو لین بتایا ہے، دار قطنی نے کہا ہے: ضعیف لا تقوم بہ حجۃ یعنی وہ ضعیف راوی ہیں انکی مرویات حجت نہیں ہو سکتی ہیں۔ ازدی نے اس سے آگے بڑھ کر کہا ہے کہ منکر الحدیث یروی عن ابن عمر بواطیل یعنی وہ منکر الحدیث ہیں حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب کر کے باطل روایات بیان کرتے ہیں صالح جزرہ نے کہا ہے کہ حدیثہ منکر و لا یعرف انہ سمع من احد من الصحابۃ الا سرق

....

.... اس کا مطلب یہ ہے کہ صالح جزرہ کے نزدیک ان کی جو حدیثیں مذکورہ بالا صحابہ کرام سے مروی ہیں وہ مرفوع نہیں بلکہ مرسل ہیں، عبدالرحمٰن بیلمانی کے بارے میں علمائے حدیث و رجال کی یہ جرح ان کے لڑکے محمد کی بے احتیاطی اور غلط روی کا نتیجہ ہے وہ اپنے والد کی طرف منسوب کر کے موضوع احادیث کی روایت کیا کرتے تھے، ورنہ عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی فی نفسہ ثقہ تھے، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر کا قول فیصل یہ ہے:

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۲۶۳

لا یجب ان یعتبر بشیء من حدیثہ	جب ان سے ان کے لڑکے محمد کی کوئی
اذا کان من روایۃ ابنہ محمد	روایت ہو تو اس کا اعتبار کرنا ضروری
لان ابنہ یضع علی ابیہ العجائب[1]	نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے لڑکے اپنے باپ
. . . . .	کی طرف سے عجیب عجیب حدیثیں وضع کر کے
. . . . .	بیان کرتے ہیں

ان ہی موضوعات و عجائب اور بواطیل میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن کو بیٹے نے باپ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہیں۔ ازدی نے بیٹے کے بجائے باپ کی طرف ایسی حدیثوں کی روایت منسوب کر کے ان کو منکر الحدیث کہدیا ہے نیز اسی وجہ سے ابو حاتم اور دار قطنی کے نزدیک وہ ثقاہت و حجت کے درجہ پر نہیں رہے۔

اس سلسلہ میں انسب و احوط یہی ہے کہ عبدالرحمٰن بیلمانی کی جو مرویات ان کے لڑکے محمد سے ہیں ان کا اعتبار نہ کیا جائے اور ان کے دوسرے تلامذہ کی روایات کو معتبر و مستند اور حجت مانا جائے۔

اس نقد و جرح کے باوجود عبدالرحمٰن بیلمانی اجلۂ تابعین اور رواۃِ حدیث میں سے ہیں اور جن ائمۂ علم و فن نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے ان کے سامنے وہ موضوعات و عجائب اور بواطیل ہیں جن کو ان کے لڑکے نے انکی طرف منسوب کیا ہے دوسرے تلامذہ کے واسطہ سے ان کی احادیث کتابوں میں بغیر نکیر کے پائی جاتی ہیں۔

عبدالرحمٰن بیلمانی کے تذکرہ میں ان کے شاعرانہ کمالات کا ذکر بھی ملتا ہے اور یہ کہ انھوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں اس کی شان میں قصیدہ پڑھا اور

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۵۰

انعام واکرام سے نوازے گئے۔

وقیل: کان شاعراً مجیداً وفد علی الولید فاجزل لہ الحباء

کہا گیا ہے کہ وہ بہترین شاعر تھے ولید کے پاس گئے تو اس نے ان کو عطیہ سے نوازا

ان کی وفات خلیفہ ولید کے دور (۸۶ھ تا ۹۶ھ) میں ہوئی جیسا کہ ابن سعد اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔

محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی کوفی

جیسا کہ معلوم ہوا عبد الرحمٰن بن ابوزید بیلمانی کے لڑکے ہیں، حافظ ابن حجر نے ان کو مولی آل عمر کے ساتھ الکوفی النحوی لکھا ہے کہ یعنی ان کا مستقل قیام کوفہ میں تھا، اور وہ علمائے نحو میں شمار ہوتے تھے، باپ کی طرح یہ بھی حضرت عمر کے خاندان کے مولیٰ تھے انھوں نے حدیث کی روایت اپنے والد عبد الرحمٰن بیلمانی اور ان کے ماموں سے کی ہے مگر ان سے سماع نہیں کیا ہے۔ اور ان سے سعید بن بشیر بخاری، عبید اللہ بن عباس بن ربیع حارثی، محمد بن کثیر عبدی، ابو سلمہ موسی بن اسمٰعیل وغیرھ نے روایت کی ہے۔ اور جیسا کہ معلوم ہوا انھوں نے بہت سی موضوع احادیث اپنے والد کی مرویات کے نام سے روایت کیں جس کی وجہ سے ائمۂ حدیث کے نزدیک خود بھی مجروح ہوئے اور باپ کو بھی مجروح اور ناقابل احتجاج بنا دیا۔ ابن حبان نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

حدث عن ابیہ بنسخۃ شبیھا بمائتی حدیث کلھا موضوعۃ لا یجوز الاحتجاج بہ ولا ذکرہ الا

انھوں نے اپنے باپ سے ایک مجموعہ سے روایت کی جس میں تقریباً دو احادیث تھیں اور سب کی سب موضوع تھیں ان سے دلیل لانا جائز نہیں ہے اور

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۵۰

علی وجہ التعجب[1]۔ . . . . . ان کا بیان کرنا جائز ہے۔ البتہ اظہار تعجب اور بیان واقعہ کے طور پر ان کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

اسی لئے ائمۂ حدیث و رجال مثلاً ابن معین، بخاری، ابو حاتم، نسائی اور ابن عدی نے ان کو منکر الحدیث اور "لیس بشیٔ" قرار دیا ہے۔

حارث بیلمانی حارث بیلمانی علمائے تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے لڑکے محمد بن حارث بیلمانی نے روایت کی ہے۔

محمد بن حارث بیلمانی حارث بیلمانی کے لڑکے ہیں، انھوں نے اپنے والد سے روایت کی، جنھوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے نیز محمد بن حارث بن زیاد حارثی سے روایت کی ہے جنھوں نے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی سے روایت کی ہے محدثین اور ائمۂ رجال نے انکی تضعیف کی ہے[2]

محمد بن ابراہیم بیلمانی تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان سے عبیداللہ بن ربیع نجرانی نے روایت کی ہے۔

---

[1]:۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۹۳، ۲۹۴۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۹۳، ۲۹۴۔

آلِ ابو معشر سندی مدنیؒ

اور مغازی کی تدوین و تعلیم میں ان کا حصّہ

صدر اسلام میں ہندوستان کے جن غلاموں اور ان کے خانوادوں نے اپنے علمی و دینی کارناموں کے باعث امامت وسیادت پائی اور صدیوں تک ان کے علم و فضل کی گرم بازاری رہی ان میں امام ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی مدنی صاحب المغازی متوفی ۱۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ کو خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔

انھوں نے مرکز اسلام مدینہ منورہ میں ہوش کی آنکھ کھولی، بعض اصاغر صحابہؓ کی دید و زیارت کا شرف پایا، علمائے تابعین سے علم حاصل کیا، زندگی کا بیشتر حصہ یہیں بسر کیا اور سیر و مغازی میں ایک اہم کتاب لکھی جو بعد میں مدینہ منورہ کی دیگر کتبِ مغازی کی طرح اس موضوع کا مستند ماخذ قرار پائی۔ زندگی کے آخری دور میں خلیفہ مہدی عباسی کی دعوت پر بغداد آئے، اور دس سال کے بعد یہیں انتقال کیا، دوسری اور تیسری صدی کے علمائے اسلام کی طرح وہ بھی حدیث و فقہ کے زبردست علماء اور حفّاظ حدیث میں سے تھے اسی کے ساتھ اخبار و احداث خصوصاً سیر و مغازی میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔[1]

---

[1] ابو معشر سندی مدنی کے معاصرین میں ایک اور صاحب علم ابو معشر کی کنیت سے مشہور تھے۔

امام ابومعشر کے تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات زندگی کے بارے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے، ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے طبقات میں، خلیفہ بن خیاط متوفی ۲۴۰ھ نے تاریخ میں ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے المعارف، امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے تاریخ کبیر، امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ نے کتاب الجرح والتعدیل، ابن ندیم موجود ۳۷۷ھ نے الفہرست اور ابو الفضل محمد بن طاہر ابن القیرانی متوفی ۵۰۷ھ نے الانساب المتفقہ میں، امام ابومعشر کے متعلق چند سطریں لکھی ہیں ان میں سے بعضوں نے صرف ایک دو سطر پر اکتفا کیا ہے البتہ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے تاریخ بغداد میں ان کے حالات نسبتہً تفصیل سے لکھے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب میں امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال اور العبر فی خبر من غبر میں مزید باتیں بیان کی ہیں، مگر ان میں بھی حالاتِ زندگی کم اور ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال و آراء زیادہ ہیں بہرحال اس وقت امام ابومعشر کے بارے میں ان ہی کتابوں سے یہ معلومات پیش کی جا رہی ہیں۔

نام و نسب اور ولاء

باتفاق مورخین ان کا نام و نسب یہ ہے: ابومعشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی مدنی ہاشمی، یا مولیٰ بنی ہاشم یا مولیٰ المہدی[1] چونکہ مدینہ منورہ کی طرف نسبت مدنی اور مدینی دونوں سے ہوتی ہے اس لئے ابن القیرانی نے انکو مدینی لکھا ہے[2] جب کہ عراق کے شہر مدائن کی طرف نسبت مدائنی ہے۔

۵ھ: جو بنی مالک بن زید مناۃ ابن تمیم سے تھے، ان کا نام زیاد ابن کلیب تھا، یوسف بن عمر کی امارت عراق کے زمانہ میں فوت ہوئے (معارف ۲۲۰) [1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۱۸ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱، تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۲ ص ۱۱۴، المعارف ص ۲۲۰ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۴۹۳، الفہرست ص ۱۳۶، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۷ وغیرہ [2] الانساب المتفقہ ص ۷۷۔

ان کے سندی النسل والاصل ہونے پر تمام تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے اور سب نے ان کو سندی کی نسبت سے یاد کیا ہے ان کے صاحبزادے محمد بن ابی معشر جو نہایت ثقہ محدث اور امام ترمذی کے استاد ہیں بیان کرتے ہیں:

کان ابی سندیا اخرم خیاطا[1] میرے والد سندھی تھے اور ان کا کان چھدا ہوا تھا اور وہ درزی تھے۔

سندھ کے باشندوں میں کان چھدانے کا عام رواج تھا اور وہ اس بارے میں عرب میں مشہور تھے امام شعبی متوفی ۱۰۴ھ نے ایک موقع پر کہا ہے:

واحبب من رأیتہ یعمل بالخیر تم جس کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھو
وان کان اخرم سندیا[2] اس سے محبت کرو، اگرچہ وہ کان چھدا سندھی ہی ہو۔

عام سندھیوں کی طرح ابو معشر کا رنگ سیاہ تھا۔ ابو مسہر کا بیان ہے:

کان ابو معشر اسود[3] ابو معشر کا رنگ سیاہ تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ گورے تھے۔

اسی طرح سندھیوں میں عجمیت و لکنت عام تھی جس کی وجہ سے وہ حروف اور الفاظ کو صحیح مخرج کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے، ابو عطا سندی کوفی متوفی بعد ۱۸۰ھ جیسا مشہور حماسی شاعر اپنی لکنت و لثغت کی وجہ سے صحیح تلفظ سے معذور تھا اور جرادہ کو زرادہ، جج کو ززّ اور شیطان کو سیطان کہتا تھا، ابو معشر کی زبان میں بھی لکنت تھی، جس کی وجہ سے وہ بعض حروف والفاظ صحیح طور سے ادا کرنے سے معذور تھے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۸
[3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۷۔

ابن القیسرانی نے ان کے تلمیذ ابونعیم فضل بن دکین کا یہ قول نقل کیا ہے جس کو امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال میں درج کیا ہے :

کان ابو معشر سندیاً وکان رجلاً الکن وکان یقول حدثنا محمد بن قعب، یرید محمد بن کعب [۱]	ابو معشر سندھی تھے ان کی زبان میں لکنت تھی اور حدیث بیان کرتے وقت محمد بن کعب کہنا چاہتے تھے مگر محمد بن قعب کہدیتے تھے،

ان کی یہی معذوری و مجبوری احادیث کی روایت کے سلسلہ میں صاف اور صحیح طور سے سند نہ بیان کرنے کے اسباب میں سے بڑا سبب بنی، جیسا کہ معلوم ہوگا۔

ابو معشر کے سندی، اخرم، الکن اور اسود ہونے کی ان تصریحات سے ان کا سندی الاصل ہونا بالکل واضح ہے مگر ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال اور العبر میں ان کی نسبت "السندی المدنی" بیان کرنے کے باوجود ان کو گورا چٹا اور فربہ لکھا ہے، بلکہ العبر میں یہاں تک لکھ دیا ہے :

قیل لہ السندی من قبیل اللقب بالضد [۲]	لقب بالضد کے مطابق ان کو سندھی کہا گیا ہے۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے ان کو "السندی المدنی" لکھنے کے باوجود لکھا ہے :

یقال ان اصلہ من حمیر [۳]	کہا گیا ہے کہ ان کی اصل یمن کے قبیلہ حمیر سے ہے۔

حالانکہ یہ اقوال جمہور مورخین کی تصریح کے خلاف ہیں ابن القیسرانی نے ان کے سندی الاصل ہونے کو نہایت واضح طور سے بیان کر کے اس قسم کے احتمال کی گنجائش نہیں

---

[۱] الانساب المتفقہ ص ۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹ [۲] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۵۹ [۳] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۹۔

رکھی، وہ انساب والقاب کی تحقیق میں گہری نظر رکھتے تھے ان کا بیان یہ ہے:

السندی والسندی والسندی والسندی الاول منسوب الی السند منہم ابومعشر المدینی السندی مولیٰ بنی ھاشم[1]

ان چار سندیوں میں سے پہلے کی نسبت سندھ کی طرف ہے ان ہی میں سے ابومعشر مدینی سندی مولیٰ بنی ہاشم ہیں۔

ہمارے خیال میں امام ذہبی اور حافظ ابن حجر کے یہ اقوال ابومعشر کے بعد ان کے دو پوتوں حسین بن محمد ابن ابومعشر اور داؤد بن محمد بن ابومعشر کے عالی نسبی کے ادعار کی وجہ سے ہیں، جس سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دادا کا نسبی تعلق یمن کے شاہی خاندان حمیر یا بنو حنظلہ بن مالک سے ہے وہ اپنا سلسلۂ نسب حضرت آدمؑ تک بیان کرتے تھے، اور ان کا اصل نام عبدالرحمٰن بن ولید بن ہلال بتاتے تھے۔

ابومعشر کے بارے میں عالی نسبی کا دعویٰ

امام ابومعشر کے صاحبزادے محمد بن ابومعشر کا بیان گذر چکا ہے کہ میرے والد سندھی تھے ان کا کان چھدا ہوا تھا، اور ان کا ذریعۂ معاش خیاطی تھا باپ کے اس صاف و صریح قول کے مقابلہ میں ان کے دو بیٹوں ابوبکر حسین بن محمد بن ابومعشر اور ابوسلیمان داؤد ابن محمد بن ابومعشر نے الگ الگ دعوے کئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے حسین ابن محمد ابن ابومعشر کا بیان نقل کیا ہے کہ میرے والد محمد ابن ابومعشر نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میرے والد ابومعشر کا نام ان کے چرائے جانے سے پہلے عبدالرحمٰن بن ولید بن ہلال تھا، ان کو چوری کر کے مدینہ میں فروخت کیا گیا۔ اور بنی اسد کی ایک جماعت نے ان کو خرید کر نجیح نام رکھا اس کے بعد وہ موسیٰ بن مہدی کی والدہ کے لئے خریدے گئے۔ (فاشتری لام موسیٰ بن المھدی) اور موسیٰ کی والدہ نے ان کو آزاد کر دیا، اس لئے ان کی میراث بنو ہاشم کو ملی

---

[1] الانساب المتفقہ ص ۷۷۔

اور دیت کی ذمہ داری حمیر پر رہی، اور میرے والد ابو معشر کہا کرتے تھے کہ وہ حنظلہ بن مالک ؓ کی اولاد سے ہیں انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا کرتے تھے اور یہ کہ میرے نزدیک بنی ہاشم کی ولاء اور غلامی بنی حنظلہ کے نسب سے زیادہ محبوب ہے [۱]

یہ پورا بیان جمہور مورخین کے خلاف ہے جیسا کہ معلوم ہو گا ابو معشر کو مدینہ منورہ میں پہلے بنی مخزوم کی ایک عورت نے خریدا، بعد میں مہدی کی ماں ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ نے ان کی مکاتبت کی رقم ادا کر کے آزاد کر دیا اور حق ولاء اپنے لئے محفوظ رکھا، یہ عورت ام موسیٰ بن مہدی یعنی مہدی کے بیٹے موسیٰ الہادی کی ماں نہیں ہے بلکہ ام موسیٰ اس کی کنیت قائم مقام نام کے ہے جو خود مہدی کی ماں ہے، موسیٰ بن مہدی کی ماں کا نام خیزران ہے ام موسیٰ (خیزران) کے ابو معشر کو خریدنے کی صورت میں ان کی دیت حمیر کے ذمہ کیسے ہو گئی؟ خاص طور سے جبکہ وہ قبیلۂ حنظلہ بن مالک سے تھے جو قبیلۂ حمیر سے بالکل جدا قبیلہ ہے، ابو معشر انتہائی بچپن میں مدینہ منورہ لائے گئے۔ اس عمر میں اپنا نسب نامہ دو چار پشت تک یاد نہیں رہتا ہے چہ جائیکہ حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا جائے، ان واقعات کے بے اصل ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے راوی کو اہل علم نے غیر ثقہ قرار دے کر اس سے روایت ترک کر دی ہے اور وہ غیر ثقہ و متروکین میں شامل ہے، خطیب نے لکھا ہے:

ولم یکن بالثقہ فترکہ الناس [۲]	حسین بن محمد بن ابو معشر ثقہ نہیں تھے اس لئے لوگوں نے ان سے روایت بند کر دی تھی۔

ان بے بنیاد دعووں کے مقابلے میں دوسرے بھائی داؤد بن محمد بن ابو معشر کا بیان قابل

---

[۱] تاریخ بغداد ص ۴۲۸ھ۔ [۲] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۹۲

ترجمہ:

حدثنی ابی ان ابا معشر کان اصلہ من الیمن وکان سبیٔ فی وقعۃ یزید بن المہلب بالیمامۃ والبحرین، وکان ابیض [1]	میرے والد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ان کے والد ابو معشر کی اصل یمن سے ہے اور وہ یمامہ وبحرین میں یزید بن مہلب کے واقعہ میں گرفتار کئے گئے اور وہ گورے تھے۔

اس قول کی تائید کے لئے قرائن پائے جاتے ہیں، یمن اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات بہت قدیم تھے، اور یمن کے حدود میں ہندیوں اور سندھیوں کی آبادیاں تھیں، عہد رسالت سے پہلے وہاں سندھیوں کا کافی زور تھا ایک مرتبہ وہاں کے حکمراں سیف بن ذی یزن نے ایران کے بادشاہ کسریٰ سے شکایت کی کہ میرے ملک پر سیاہ رنگ کے لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اس پر کسریٰ نے دریافت کیا:

فای السودان غلبوا علیھا الحبشۃ ام السند [2]	کن کالوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے حبشی یا سندھی؟

دوسری روایت میں ہے کہ سیف بن یزن نے اجانب کے غلبہ کا شکوہ کیا تو کسریٰ نے پوچھا:

ای الاغربۃ الحبشۃ ام السند [3]	کن اجنبی لوگوں نے غلبہ کیا ہے حبشی یا سندھی؟

ایک بزرگ بیرزطن ہندی یمن میں تھے جو بھنگ کے ذریعہ علاج کرنے میں مشہور تھے، اور عہد رسالت میں یا اس کے بعد مسلمان ہوئے [4]۔

ہمارا خیال ہے کہ امام ابو معشر کا خاندان سندھ سے نکل کر پہلے یمن کے اس علاقہ میں آباد ہوا جو یمامہ سے قریب تھا، اس زمانے کا بحرین اسی علاقہ میں تھا جو آج کل سعودی عرب کا منطقہ شرقیہ کہلاتا ہے، آج کا بحرین اس سے دور واقع ہے قدیم زمانہ میں اس کو اُوال

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۷، ۴۶۲ [2] تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۸ [3] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳ کتاب التیجان ص ۳۰۲-۳۰۴، طبری ج ۲ ص ۱۱۶ [4] رجال السند والہند طبع قاہرہ ص ۷۷۔

کہتے تھے۔

مذکورہ بالا قول میں اسی قدیم یمامہ و بحرین کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں ابو معشر کی گرفتاری بیان کی گئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۹۶ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے یزید بن مہلب ازدی کو عراقین کی امارت دی، اس نے اشعث بن عبید اللہ ابن جارود کو بحرین کا امیر مقرر کیا، اور مسعود بن ابو زینب محاربی نے اس کے خلاف خروج کیا، جانبین میں مقابلہ ہوا، نتیجہ میں یزید بن مہلب کے امیر اشعث ابن عبید اللہ کو شکست ہوئی اور مسعود محاربی بحرین پر قابض ہو گیا[1] داؤد بن محمد بن ابو معشر کے بیان کے مطابق ۹۶ھ کی اسی جنگ میں ابو معشر گرفتار کر کے مدینہ منورہ لائے گئے۔

غلامی، آزادی اور مدینہ منورہ میں مستقل سکونت

امام ابو معشر کا خاندان سندھ سے عرب میں کب، کہاں اور کیسے پہونچا، ان باتوں کے بارے میں یقینی معلومات نہیں ہیں۔ اگر ان کے پوتے داؤد کا بیان صحیح مان لیا جائے تو ان کا خاندان یمن کے اس علاقہ میں آباد تھا جو یمامہ اور بحرین کے قریب واقع تھا، اور وہیں ان کی پیدائش بھی ہوئی، ۹۶ھ میں وہ بچپن میں گرفتار کر کے مدینہ منورہ لائے گئے، اس وقت ان کی عمر کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں حضرت ابو امامہ ابن سہل بن حنیف متوفی ۱۰۰ھ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان کی ہیئت یاد رکھی اور بقول امام ذہبیؒ حضرت سعید بن مسیب مدنی متوفی ۹۴ھ کا زمانہ نہیں پایا، ہمارا اندازہ ہے کہ ابو معشر آٹھ سال کی عمر میں ۹۶ھ میں یا اس کے بعد یہاں لائے گئے، اور ان کی پیدائش ۸۸ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی۔

امام ابو معشر کی زندگی درحقیقت مدینہ منورہ آنے کے بعد شروع ہوئی اس سے

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱، ص ۴۲

پہلے ان کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا ہے، ان کے سوانح نگاروں میں ابن سعد، ابن قتیبہ ابن ابی حاتم رازی کا متفقہ بیان ہے:

وکان مکاتباً لامرأة من بنی مخزوم فادی عتق و اشترت ام موسیٰ بنت منصور الحمیریة ولائه[1]

ابو معشر بنی مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب غلام تھے، اور انھوں نے مکاتبت کی رقم ادا کرکے آزادی حاصل کرلی، اور ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ نے ان کا حق ولا خرید لیا

ابن ندیم نے صرف یہ لکھا ہے: وکان مکاتباً لامرأة من بنی مخزوم[2] غالباً ان کا نام نجیح ان کی پہلی مولاۃ و مالکہ مخزومیہ نے رکھا تھا، عرب اپنے غلاموں کے نام نیک فالی کیلئے عطار، افلح، یسار، نجیح وغیرہ رکھتے تھے، مکاتبت یعنی ایک خاص مقدار میں رقم ادا کرنے کی شرط پر آزادی ابو معشر کی پختہ عمری کے بعد ہوئی ہوگی، اور جوانی میں آزادی کے لئے جد وجہد کی ہوگی جس کے نتیجے میں ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ نے مقررہ رقم ادا کرکے ان کو آزاد کردیا اور حق ولا اپنے لئے محفوظ رکھا، جو آگے چل کر خلیفہ مہدی کی فرمائش اور خواہش پر بغداد جانے اور درباری اعزاز پانے کا باعث بنا، ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ کے بارے میں ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں لکھا ہے کہ ابو جعفر منصور نے اموی دور خلافت میں ام موسیٰ حمیریہ سے قیروان میں نکاح کیا تھا، جس کے بطن سے محمد المہدی اور جعفر الاکبر پیدا ہوئے، صورت یہ ہوئی کہ حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے خاندان کا ایک نوجوان افریقہ کے شہر قیروان پہونچا، جہاں اس نے ام موسیٰ حمیریہ سے شادی کی، اس سے ایک بچی پیدا ہوئی کچھ دنوں کے بعد وہ جوان قیروان میں فوت ہوگیا، جب اسکی خبر عراق میں اس کے خاندان والوں کو ملی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۱۸، المعارف ص ۲۲۰، کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۴۹۳، [2] الفہرست ص ۱۳۶۔

تو ابو جعفر منصور بچی کو لینے کے لئے قیروان گیا وہاں پہونچنے پر معلوم ہوا کہ ام موسیٰ نے ایک خیاط (درزی) سے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور وہ خیاط بھی انتقال کر چکا ہے، ام موسیٰ حمیریہ نہایت حسین وجمیل تھی، اس لئے ابو جعفر منصور نے اس سے نکاح کر لیا، اور اس کے لڑکے کا نام طیفور رکھا۔ عباسی خلافت میں اس کو طیفور مولیٰ المہدی کہنے لگے، حالانکہ وہ مہدی کا بھائی ہے اور ان دونوں کی ماں ام موسیٰ حمیریہ ہے[1] اسی طیفور مولیٰ المہدی کو ہارون رشید نے اپنے دورِ خلافت میں سندھ کی امارت دی تھی، اس وقت یہاں یمانیہ اور نزاریہ کی قبائلی عصبیت اور جنگ برپا تھی جس کے فرو کرنے میں طیفور ناکام رہا[2]

ابو معشر ایام طفلی سے سن شعور تک بنی مخزوم کی ایک عورت کے غلام رہے اور پختہ عمری میں مکاتبت کے ذریعہ آزادی کی کوشش کی، اس درمیان میں ان کی مالکہ نے ان کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ کی، وہ بچپن ہی میں مدینہ منورہ کے فقہاء ومحدثین سے تحصیل علم اور کسب فیض کرنے لگے اور ان میں دینی وعلمی کمالات کا ظہور ہونے لگا، حتی کہ ان کی جوانی میں صالحیت وصلاحیت دیکھ کر اعیان واشراف کی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگیں اور عبداللہ ابن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (بعد میں خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی) کی بیوی ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ نے ابو معشر کی مکاتبت کی رقم ادا کر کے آزاد کر دیا اور ان کو اپنی ولاء میں لے لیا اس کے بعد وہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ تحصیل وتکمیل میں لگ گئے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی زیارت اور تابعیت

امام ابو معشر نے آخری دس سال کے علاوہ پوری زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی حتی کہ

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۱

[2] رجال السند والہند ص ۲۲۳ ۔

تحصیل علم کے سلسلہ میں کسی دوسرے شہر جانے کی تصریح نہیں ملتی ہے ان کے تمام اساتذہ وشیوخ مدنی ہیں، جن میں سے اکثر نے براہ راست حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا ہے، خود ابومعشر کو بچپن میں ایک صحابی حضرت ابوامامہؓ بن سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ کی رویت ولقار کی وجہ سے تابعیت کا شرف حاصل ہے۔ ان سے حدیث کی روایت تو نہ کر سکے مگر ان کی حالت وہیئت کی روایت کی ہے، خطیب بغدادی، امام ذہبی، حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے:

رأی ابا امامة بن سهل بن حنیف[1] . . . ابومعشر نے ابوامامہ بن سہل بن حنیف کو دیکھا ہے۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ اوس سے تھے انکی والدہ حضرت حبیبہؓ بنت ابوامامہ سعد بن زرارہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت تھیں اور نانا حضرت ابوامامہؓ بنی نجار کے نقیب تھے واقدی نے کہا ہے کہ ابوامامہؓ بن سہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے، آپ نے ان کا نام اور کنیت ان کے نانا کے نام وکنیت پر ابوامامہ سعد رکھا، انھوں نے اپنے والد حضرت سہلؓ بن حنیف حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت معاویہؓ سے روایت کی ہے۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث اور ثقہ بتایا ہے[2]۔ خلیفہ بن خیاط نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابوامامہؓ بن سہل ابن حنیف کی وفات سنہ ۱۰۰ھ میں واقع ہوئی ہے[3]۔

ابومعشر نے اپنے بچپن میں حضرت ابوامامہؓ کو ان کے آخری زمانہ میں دیکھا اس

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۴۲۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶، تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۴۱۹

[2] طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۸۲،

[3] تاریخ خلیفہ ج ۱، ص ۳۴۴

وقت ان سے استفادہ نہ کر سکے، البتہ ان کا حلیہ یاد رکھا، صاحبزادے محمد بن ابو معشر کا بیان ہے:

قال رأيت ابا امامة بن سهل بن حنيف شيخاً كبيراً يخضب بالصفرة وله ضفيرتان وقد كان رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

والد ابو معشر نے کہا ہے کہ میں نے حضرت ابو امامہ رضؓ ابن سہل بن حنیف کو دیکھا ہے وہ بہت بوڑھے تھے، زرد خضاب استعمال کرتے تھے ان کے دو چوٹیاں تھیں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔

اوران کے شاگرد محمد بن بکار کا بیان ہے:

قال رأيت ابا امامة بن سهل بن حنيف يخضب بالحناء وله وفرة[1]

ابو معشر نے بتایا ہے کہ میں نے ابو امامہ ابن سہل بن حنیف کو دیکھا ہے وہ حنا کا خضاب لگاتے تھے، اور ان کے بال بڑے بڑے تھے۔

علمائے رجال و طبقات تابعیت کے لئے صحابی کی صحبت کے قائل ہیں، مگر قول اظہر یہ ہے کہ صحابی کا لقاء تابعیت کے لئے کافی ہے[2] اس قول کی بنا پر ابو معشر تابعی ہیں۔

تحصیل علم ابو معشر نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے کو علم و فضل کی آغوش میں پایا۔ مدینہ منورہ اجلۂ تابعین اور سادات فقہاء و محدثین سے معمور و مشحون تھا، ہر گلی کوچہ میں حضرات صحابۂ کرام کے فیض یافتہ علماء و فقہاء تحدیث و روایت میں مشغول تھے، اور ائمہ کتاب و سنت کے ساتھ اصحاب سیر و مغازی تعلیم و تدریس میں مشغول تھے، خاص

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۴۲۸ [2] جواہر الاصول ص ۱۰۶، طبع بیروت

طور سے فقہائے سبعہ مدنی علوم کے منتہی و مرجع تھے، یعنی حضرت سعید بن مسیب رض، حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر، حضرت عروہ بن زبیر رض، حضرت خارجہ بن زید بن ثابت، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن ابن عوف، حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، حضرت سلیمان بن یسار رحمہم اللہ علم نبوت کے امین تھے، نیز اسی دور میں مدینہ منورہ میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر، حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر، حضرت حمزہ بن عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن عبداللہ بن عمر، حضرت بلال بن عبداللہ بن عمر، حضرت ابان بن عثمان، حضرت قبیصہ بن ذویب، حضرت اسماعیل بن زید بن ثابت رحمہم اللہ فقہ و فتویٰ اور حدیث میں درجۂ امامت رکھتے تھے[1] ان حضرات کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بہت سے ائمہ علم و فضل اور ارباب صلاح اپنے اپنے حلقہ میں دینی و علمی خدمت انجام دے رہے تھے۔

ابومعشر نے صغر سنی ہی میں اس زمانہ کے مزاج و رواج کے مطابق اپنے مدنی ائمہ فقہ و حدیث سے سماع و روایت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں تصریح کی ہے کہ ابومعشر نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے[2] حضرت سعید بن مسیب کا وصال ۹۴ھ میں ہوا ہے، اس قول کے رو سے ابومعشر نے بچپن میں ان سے روایت کی ہے، مگر امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ابومعشر نے ابن مسیب کا زمانہ نہیں پایا ہے[3] اور ابومعشر کے شیوخ حدیث میں حضرت ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری رض بھی ہیں جن کی وفات ۱۰۳ھ کے آخر یا ۱۰۴ھ کے شروع میں ہوئی ہے، اس وقت ابومعشر کی عمر چودہ ۱۴ پندرہ ۱۵ سال کی رہی ہوگی۔ اس عمر میں یا اس سے کم میں جمہور محدثین کے نزدیک ذکی الحس اور باشعور بچوں کی روایت صحیح مانی جاتی ہے، خطیب نے الکفایہ میں لکھا ہے:

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ۴۳۔۴۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۰
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶۔

وقال قوم الحد فی السماع خمس عشرة سنة وقال غیرهم ثلاث عشرة، وقال جمهور العلماء یصح السماع لمن سنه دون ذلك وهذا هو عندنا الصواب[1]

ایک جماعت نے کہا ہے کہ سماع حدیث کی حد پندرہ سال ہے دوسروں نے کہا ہے کہ تیرہ سال ہے، اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ جس کی عمر اس سے کم ہو اس کا سماع بھی صحیح ہے ہمارے نزدیک یہی قول درست ہے۔

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو معشر نے صغر سنی ہی میں، بحالت غلامی مدینہ منورہ کے علماء سے کسب فیض کی ابتداء کر دی تھی،

شیوخ واساتذہ

ابو معشر کے شیوخ و اساتذہ سب کے سب مدنی ہیں، امام مالک کی طرح ان کا بھی تحصیل علم کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سے باہر جانا معلوم نہیں ہوتا ہے، مدینہ منورہ اس وقت علمائے تابعین اور ائمہ دین کا مرکز تھا، انکے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر کتابوں میں چند حضرات کے نام کے بعد والکبار، و طائفہ وغیرہ کے الفاظ ہیں ہم ذیل میں ان کے چند شیوخ کے نام پیش کرتے ہیں:

(۱) سعید بن مسیب قرشی مدنی متوفی ۹۴ھ، مدینہ کے فقہائے سبعہ کے سرخیل اور افقہ اہل الحجاز ہیں، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص، حکیم بن حزام، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ابوذر، ابو درداء، حسان بن ثابت، زید بن ثابت، عتاب بن اسید، عثمان بن ابی العاص، ابو موسیٰ اشعری، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، ام المومنین عائشہ رض، اسماء بنت عمیس، خولہ بنت حکیم، فاطمہ بنت قیس، ام سلیم، ام شریک رضی اللہ عنہم وعنہن وغیرہ سے روایت کی[2]۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۵۴

[2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۴۔

رأى ابا امامة بن سهل بن حنيف وروى عن سعيد بن المسيب	ابو معشر نے حضرت ابوامامہ رضؓ کو دیکھا ہے اور سعید بن مسیب سے روایت کی ہے

اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ:

لم يدرك سعيد بن المسيب	ابو معشر نے سعید بن مسیب کو نہیں پایا۔

(۲) ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری مدنی متوفی ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ مشہور محدث و فقیہ ہیں، ان کا نام حارث یا عامر ہے۔ ایک قول ہے کہ کنیت ہی نام ہے کثیر الحدیث عالم ہیں۔ ایک زمانہ میں کوفہ کے قاضی تھے، ابو معشر کے سب سے قدیم الوفاۃ استاذ ہیں انھوں نے اپنے والد ابو موسیٰ اشعری، علی بن ابو طالب، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن سلام، اغر مزنی، مغیرہ بن شعبہ، ام المومنین عائشہ، محمد بن مسلمہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عروہ بن زبیر، اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے[1]

(۳) محمد بن کعب قرظی مدنی متوفی ۱۱۷ھ اعلم بتاویل القرآن یعنی قرآن کی تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے، انھوں نے عباس بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عمرو بن عاص، ابوذر غفاری، ابودردا رضی اللہ عنہم سے روایت کی، بعض علماء کے نزدیک ان حضرات سے محمد بن کعب کی روایات مرسل ہیں، نیز فضالہ بن عبید، مغیرہ بن شعبہ، معاویہ ابن ابو سفیان، کعب بن عجرہ، ابوہریرہ، زید بن ارقم، عبداللہ بن عباس، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عمر، برا بن عازب، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن یزید خطمی، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور دیگر حضرات سے روایت کی ہے[2] محمد بن کعب سے ابو معشر کی جملہ مرویات ائمہ حدیث کے نزدیک معتبر ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۴

[2] ایضاً ج ۹، ص ۴۲۲

(۴) سعید بن ابوسعید مقبری مدنی متوفی سنہ ۱۱۷ھ والد کا نام کیسان ہے، بنی لیث کی ایک عورت کے غلام تھے، مدینہ منورہ کے قبرستان کے قریب قیام کی وجہ سے مقبری مشہور تھے، انھوں نے عائشہ ام سلمہ، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، معاویہ بن ابی سفیان، ابوشریح انس بن مالک، جابر ابن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، یزید بن ہرمز، عبداللہ بن رافع مولی ام سلمہ، سالم بن عبداللہ مولی نصربیین، سعید بن یسار، عبداللہ بن قتادہ، اپنے والد ابوسعید، بھائی عباد بن ابوسعید وغیرہ سے روایت کی ہے[1]۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ وہ سنہ ۱۰۰ھ میں عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں فوت ہوئے[2]۔

(۵) نافع مولی بن عمر مدنی سنہ ۱۱۷ھ، ایران کے شہر ابوشہر کے رہنے والے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک غزوہ میں پایا تھا، انھوں نے اپنے آقا عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابولبابہ بن عبدالمنذر، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ام المومنین عائشہ، ام المومنین ام سلمہ، عبداللہ، عبیداللہ، سالم، زید ابنام عبداللہ بن عمر، ابراہیم بن عبداللہ بن حنین، منبہ بن وہب، قاسم بن محمد بن ابوبکر، عبداللہ ابن ابوبکر، صفیہ بنت ابی عبید، سعید بن ابوہند، مغیرہ بن حکم صنعانی کے علاوہ صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے روایت کی ہے[3]۔

(۶) محمد بن قیس مدنی متوفی سنہ ۱۲۵ھ یعقوب قبطی کے غلام ہیں، کثیر الحدیث عالم ہیں عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں قاضی تھے، انھوں نے جابر بن عبداللہ سے مرسل احادیث کی روایت کی ہے، نیز ابوصرمہ انصاری، عبداللہ بن قتادہ، عمر بن عبدالعزیز، ابوبردہ بن ابوموسیٰ، ابوسلمہ ابن عبدالرحمن، عبدالرحمن بن یزید بن معاویہ سے روایت کی ہے[4]، محمد بن قیس سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۸ ، [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۸۶ ،

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱۴ ، المعارف ص ۲۰۲ ۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱۴

ابومعشر کی مرویات بھی محدثین کے نزدیک معتبر ہیں۔

(۷) محمد بن منکدر مدنی متوفی سنہ ۱۳۰ھ فقہائے حجاز میں احد الاعلام اور زبردست محدث وفقیہ ہیں، ان کا شمار سادات قراء میں ہے انھوں نے اپنے والد منکدر بن ہدیر، چچا ربیعہ بن ہدیر، ابوہریرہؓ، ام المومنین عائشہؓ، ابوایوب ربیعہ بن عباد، سفینہ، ابوقتادہ، امیمہ بنت رقیقہ، مسعود ابن حکم زرقیؓ، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، ابوامامہ بن سہل بن حنیف، یوسف بن عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن مسیب، عبیداللہ بن ابورافع، محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے روایت کی ہے[۱]

ابن سعد نے ان کے شاگرد ابومعشر سندی سے روایت کی ہے کہ محمد بن منکدر کے والد نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ مجھے ایک ضرورت ہے آپ میری مدد فرمایئے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی، ان کے جانے کے بعد ہی خالد بن اسد نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دس ہزار درہم بھجوائے، اور انھوں نے یہ ساری رقم منکدر کے یہاں بھجوادی، انھوں نے اسی وقت ایک ہزار درہم کی ایک باندی خریدی، جس کے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے، ان میں سے ایک یہی محمد بن منکدر اور دوسرے دو بھائی ابوبکر بن منکدر اور عمر بن منکدر ہیں، فکانوا عباد اھل المدینۃ اور یہ تینوں بھائی مدینہ منورہ کے عباد و زہاد میں ہوئے[۲]

(۸) موسیٰ بن یسار مدنی مطلبی متوفی سنہ ھ مشہور عالم مغازی محمد بن اسحاق کے چچا اور قیس بن مخرمہ قرشی کے غلام ہیں، انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، یحییٰ ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے[۳]

---

[۱] تہذیب التہذیب ص ۴۷۵، [۲] طبقات ابن سعد [۳] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۷۷

(۹) ہشام بن عروہ بن زبیر اسدی مدنی متوفی ۱۴۵ھ نے حضرت عمرؓ کی زیارت کی ہے اور آپ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا ہے، نیز سہل بن سعد، جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں، انھوں نے اپنے والد عروہ بن زبیر اسدی، چچا عبداللہ ابن زبیر، دونوں بھائی عبداللہ بن عروہ، عثمان بن عروہ، چچازاد بھائی عباد بن عبداللہ بن زبیر، ان کے بیٹے یحیٰی بن عباد، بیوی فاطمہ بنت منذر، عمر بن خزیمہ، عوف بن حارث بن طفیل، ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوفؓ، محمد بن منکدر، وہب بن کیسان، صالح بن ابوصالح سمان، عبداللہ بن ابوبکر بن حزم، عبدالرحمن بن سعد، محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے روایت کی ہے[1]۔

(۱۰) موسیٰ بن عقبہ مدنی متوفی ۱۴۱ھ مولیٰ آل زبیر، صاحب المغازی، مدینہ منورہ کے فقیہ و مفتی تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے، ام خالد بنت خالد امویہ صحابیہ سے روایت کی ہے، نیز اپنے نانا ابوحبیبہ مولیٰ زبیر، حمزہ بن عبداللہ بن عمرؓ، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، اعرج نافع بن جبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوفؓ، نافع مولیٰ بن عمر، کریب، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ محمد بن منکدر، عروہ بن زبیر، زہری وغیرہ سے روایت کی ہے، ثقہ محدث و فقیہ اور مغازی کے زبردست عالم و مصنف ہیں، امام مالک اپنے تلامذہ کو ان کی کتاب المغازی سے استفادہ کی تاکید کرتے تھے، اور اس کو اصح المغازی کہتے تھے، امام مالکؒ کا ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کبر سنی میں یہ کتاب لکھی ہے اور دوسروں کی طرح اس میں اطناب و اکثار نہیں ہے، محمد بن طلحہ ابن طویل کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں ان سے بڑا مغازی کا عالم نہیں تھا[2]۔

(۱۱) محمد بن عمرو بن علقمہ لیثی مدنی متوفی ۱۴۴ھ نے اپنے والد عمرو بن علقمہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، عبیدہ بن سفیان، سعید بن حارث، ابراہیم بن عبداللہ بن حنین، عمر بن اکیمہ لیثی، محمد بن

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۸ [2] ایضاً ج ۱۰ ص ۳۶۰، العبر ج ۱ ص ۱۴۲۔

ابراہیم ابن حارث تیمی، واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ، خالد بن عبداللہ بن حرملہ، عبدالرحمٰن بن یعقوب، عمر بن الحکم بن ثوبان، سعد بن سعید انصاری، یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب وغیرہ سے روایت کی ہے، امام مالکؒ نے موطا میں ان سے روایت کی ہے کثیر الحدیث تھے[1]

(۱۲) حویرث بن ذباب مدینی متوفی ـــــہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی نے روایت کی ہے[2]۔

فی الحال ابو معشر کے چند شیوخ و اساتذہ کے یہ نام سامنے آگئے ہیں جن میں اس دور کے مروجہ علوم و فنون کے کاملین اور نمایاں مقام کے مالک ہیں، تلاش و جستجو کے بعد ان میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔

اصحاب و تلامذہ امام ابو معشر کے اصحاب و تلامیذ کا حلقہ بھی ان کے شیوخ و اساتذہ کی طرح بہت وسیع ہے جن میں حفاظ حدیث، ائمہ جرح و تعدیل، اہل فقہ و فتویٰ اور اصحاب سیر و مغازی سب ہی شامل ہیں، چند حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) سفیان بن سعید ثوری، ابو عبداللہ کوفی متوفی ۱۶۱ھ امیر المومنین فی الحدیث ابو معشر سے پہلے بصرہ میں فوت ہوئے۔

(۲) عبدالرحمٰن بن مہدی عنبری، ابو سعید بصری متوفی ۱۹۸ھ مولیٰ بنی عنبر یا مولیٰ بنی ازد، جرح و تعدیل کے امام ہیں۔

(۳) عبدالرزاق بن ہمام حمیری، ابوبکر صنعانی متوفی ۲۱۱ھ مولیٰ حمیر، صاحب المصنف

(۴) وکیع بن جراح، ابو سفیان کوفی متوفی ۱۹۶ھ امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔

(۵) لیث بن سعد فہمی، ابو الحارث مصری متوفی ۱۷۵ھ مولیٰ بنی قیس، اصفہانی الاصل

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵، ۳ [2] تاریخ کبیر ج ا قسم ۲ ص ۱۱۰، کتاب الجرح والتعدیل ج ا قسم ۲ ص ۳۰۴

اور دیار مصر کے شیخ و عالم ہیں۔

(۶) سعید بن منصور، ابو عثمان خراسانی مکی متوفی ۲۲۷ھ صاحب السنن، ایک واسطہ سے امام بخاری کے استاد ہیں[1]۔

(۷) محمد بن عمر، ابو عبد اللہ واقدی مدنی متوفی ۲۰۸ھ مولی بنی اسلم، مشہور محدث و مورخ اور بغداد کے قاضی ہیں۔

(۸) منصور بن ابی مزاحم بشیر، ابو نصر ترکی بغدادی متوفی ۲۳۵ھ مولی ازد،

(۹) محمد بن بکار بن ریان ہاشمی، ابو عبد اللہ متوفی ۲۳۳ھ مولی بنی ہاشم، صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں مروی ہیں۔

(۱۰) محمد بن سوار، سدوسی عنبری، ابو الخطاب بصری متوفی ۱۸۷ھ، ان کے واسطے سے امام ترمذی نے ابو معشر سے روایت کی ہے۔

(۱۱) بشیر بن ولید، ابو الولید کندی متوفی ۲۳۸ھ صاحب القاضی ابو یوسف، احناف کے ائمۂ کبار میں سے ہیں، مہدی اور مامون کے دور میں قاضی تھے۔

(۱۲) عبد اللہ بن مبارک حنظلی تمیمی، ابو عبد الرحمن مروزی متوفی ۱۸۱ھ مولی بنی تمیم شیخ الاسلام، ان کی کتاب الزہد والرقائق میں ابو معشر سے روایت موجود ہے۔

(۱۳) یزید بن ہارون، ابو خالد واسطی متوفی ۲۰۶ھ مولی بنی سلیم، ثقہ و صالح حافظ الحدیث ہیں۔

(۱۴) عاصم بن علی، ابو الحسن واسطی متوفی ۲۲۱ھ مولی بنی تیم، واسط میں انتقال کیا۔

(۱۵) عبد اللہ بن ادریس اودی زعافری، ابو محمد کوفی متوفی ۱۹۲ھ، اہل مدینہ کے فقہی مسلک پر فتویٰ دیتے تھے۔

---

[1] ان کے مفصل حالات ہماری کتاب مآثر و معارف میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۱۶) عثمان بن عمر عبدی، ابو محمد بصری سنہ ۲۰۸ھ، ایک قول کے رو سے بخاری الاصل ہیں۔

(۱۷) ہاشم بن قاسم، ابو نصر لیثی بغدادی متوفی سنہ ۲۰۶ھ، اہل بغداد ان کے وجود پر فخر کرتے تھے۔

(۱۸) ہشیم بن بشیر، ابو معاویہ بن ابی حازم واسطی متوفی سنہ ۱۸۳ھ مولی بنی سلیم، ایک قول کے مطابق بخاری الاصل ہیں۔

(۱۹) ہوذہ بن خلیفہ، ابو الاشہب ثقفی بصری متوفی سنہ ۲۱۶ھ، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔

(۲۰) انس بن عیاض، ابو حمزہ لیثی مدنی متوفی سنہ ۲۰۰ھ نہایت ثقہ کثیر الحدیث عالم ہیں

(۲۱) فضل بن دکین، ابو نعیم کوفی متوفی سنہ ۲۱۹ھ نے امام ابو حنیفہ سے بہت زیادہ روایات کی ہے۔

(۲۲) سلیمان بن داؤد، ابو الربیع زہرانی بصری متوفی سنہ ۲۳۴ھ بغداد میں قیام کرتے تھے۔

(۲۳) محمد بن مطرف، ابو غسان لیثی مدنی متوفی سنہ ۱۶۳ھ، عسقلان میں رہتے تھے

(۲۴) حجاج بن محمد الاعور، ابو محمد مصیصی متوفی سنہ ۲۰۶ھ مولیٰ سلیمان بن مجالد ترمذی الاصل ہیں، بغداد میں رہتے تھے، بعد میں مصیصہ چلے گئے تھے۔

(۲۵) محمد بن ابو معشر سندی، ابو عبد الملک بغدادی متوفی سنہ ۲۷۴ھ اپنے والد ابو معشر کے خاتمۃ الاصحاب ہیں[۱]۔

(۲۶) علی بن مجاہد کابلی، ابو مجاہد کندی متوفی سنہ ۱۸۰ھ صاحب کتاب المغازی مولیٰ کندہ۔

---

[۱] ان حضرات کے حالات کے لئے تہذیب التہذیب، طبقات ابن سعد، معارف ابن قتیبہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

(۲۷) اسحاق بن قیس، طبری نے تاریخ میں اسحاق بن قیس عن ابی معشر کی سند سے متعدد واقعات بیان کئے ہیں۔

(۲۸) امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم صاحب ابی حنیفہ رح متوفی ۱۸۲ھ نے کتاب الخراج میں براہ راست ابو معشر سے ایک مرفوع حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک طویل اثر کی روایت کی ہے۔

(۲۹) یسرہ بن صفوان بن جمیل، ابو صفوان یا ابو عبدالرحمٰن لخمی دمشقی بلاطی متوفی ۲۱۵ھ۔

(۳۰) محمد بن بکار بن ریان ابو عبداللہ بغدادی اصافی مولیٰ بن ہاشم متوفی ۲۳۸ھ۔

امام ابو معشر کے تذکرہ نویس علماء نے روی عنہ کے ذیل میں ان کے بعض تلامذہ کے نام لکھ کر وطائفۃ وآخرون اور وغیرھم لکھ دیا ہے، سردست یہ چند نام سامنے کے ہیں، ورنہ ان کے تلامذہ اور اصحاب کی فہرست طویل ہے۔

کوفہ میں امام اعمش سے ملاقات اور علمی گفتگو

ابو معشر ۱۶۱ھ میں خلیفہ مہدی کی دعوت پر بغداد گئے اور وہیں فوت ہوئے اس سے پہلے کسی روایت سے ان کا مدینہ منورہ سے نکلنا معلوم نہیں ہوتا، البتہ اس درمیان میں ایک بار کوفہ میں امام اعمش (ابو محمد سلیمان بن مہران مولیٰ بنی کاہل المعروف بہ اعمش ۶۱ھ۔ ۱۴۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دینی و علمی گفتگو میں شریک ہوئے، امام ذہبی رح نے میزان الاعتدال میں ابو معشر کے تلمیذ سعید بن منصور کی زبانی ان کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں اعمش کے پاس بیٹھا تھا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں اہل مدینہ میں سے ہوں، اس پر انھوں نے پوچھا کہ نبیذ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے ان کے جواب میں کہا:

حدثنی نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ ابن عمر رض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

قال ما اسکر کثیرًا فقلیلہ حرام	کہ جو چیز زیادہ نشہ پیدا کرے اس کا کم بھی
وحدثنی موسی بن عقبۃ عن	حرام ہے، اور مجھ سے موسیٰ بن عقبہ نے بھی
سالم عن ابیہ مرفوعًا مثلہ[1]	سالم عن ابیہ سے اسی کے مثل بیان کیا ہے

امام اعمش اپنے زمانہ میں علی الاطلاق محدث اہل کوفہ تھے، بقول ابن مدینی انھوں نے کوفہ میں علم دین کو امت کے لئے محفوظ کیا ہے۔ اپنے اقران و معاصرین میں فہم قرآن، حفظ حدیث اور علم فرائض وغیرہ میں سب سے آگے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رکاب تھامنے اور ان کی دعا لینے کا شرف رکھتے تھے۔ وہ دین ہی دین اور علم ہی علم تھے، امام ابومعشر نے ان کے سوال کا جواب جس حکیمانہ اور مؤدبانہ انداز میں دیا ہے وہ ان کے تفقہ فی الدین اور بصیرۃ بالحدیث کی دلیل ہے۔ اپنی دو سندوں سے جو سلسلۃ الذہب کا درجہ رکھتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنادی جس میں مسکر کے بارے میں اصولی اور عام حکم ہے نہ نبیذ کی حلت و حرمت کی بحث چھیڑی اور نہ اس کی کیفیت و کمیت کے بارے میں کوئی بات کی، امام اعمش بھی یہ بات سن کر خاموش ہو گئے اور ان کو معلوم ہو گیا کہ نبیذ کے بارے میں ابومعشر کا مسلک کیا ہے۔

خلیفہ مہدی کی دعوت پر بغداد میں قیام

معلوم ہو چکا ہے کہ امام ابومعشر بچپن میں غلام بن کر مدینہ منورہ آئے، اور ایک مخزومیہ عورت کی غلامی کے بعد خلیفہ مہدی کی والدہ ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ کی ولاء میں چلے گئے، جس سے آزادی کے بعد بھی ان پر ایک قسم کی پابندی تھی، اور ۱۶۰ھ تک جب کہ ان کی عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی، یہیں متاہل زندگی بسر کی، صرف ایک بار کوفہ جانے کا ثبوت ملتا ہے، مگر آخری عمر میں مدینہ منورہ چھوڑ کر بغداد جانا پڑا، یا یوں کہئے کہ نسبت ولاء نے ابومعشر کو مدینہ منورہ کی

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳، ص ۳۲۹۔

مسند علم و فضل سے اٹھا کر بغداد کے قصر جاہ وحشم میں پہونچا دیا۔

خلیفہ مہدی نے سنہ ۱۶۰ھ میں حج ادا کیا، اس کے بعد مدینہ منورہ حاضری دی اور اپنے حق ولاء کی بناء پر خواہش اور فرمائش کی کہ ابو معشر اس کے ساتھ بغداد چلیں، اور دربار خلافت سے وابستہ لوگوں کو دینی تعلیم دیں۔ ساتھ ہی سامانِ سفر کی تیاری کے لئے ایک ہزار دینار پیش کئے۔ صاحبزادے محمد بن ابو معشر کا بیان ہے:

قدم المہدی بعد خلافته فی سنة ستین فاشخصه یعنی اباب معشر معه الی العراق وامر له بالف دینار وقال تکون بحضرتنا فتفقه من حولنا فشخص ابو معشر معه الی مدینة السلام سنة احدی وستین[1]	خلیفہ مہدی سنہ ۱۶۰ھ میں مدینہ منورہ آیا اور ابو معشر کو اپنے ساتھ لے گیا، ایک ہزار دینار پیش کر کے کہا کہ آپ ہمارے پاس رہیں گے اور ہمارے حلقہ کے لوگوں کو دینی تعلیم دیں گے، چنانچہ ابو معشر سنہ ۱۶۱ھ میں مہدی کے ساتھ مدینۃ السلام (بغداد) چلے گئے۔

امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے بھی اختصار کے ساتھ یہی لکھا ہے[2]، ابو معشر نے مدینہ منورہ میں ہوش کی آنکھ کھولی، یہیں پروان چڑھے اور یہیں کے علماء و مشائخ سے کسب فیض کر کے کہنا چاہئے کہ پوری زندگی یہاں کی دینی و علمی فضا میں بسر کی، اس مقدس سرزمین کے چپے چپے سے ان کو محبت تھی، جس میں پیوند خاک ہونے کی تمنا ہر مسلمان کو ہوتی ہے اس لئے مدینہ منورہ کی گلی کو چھوڑ کر بغداد کے قصر خلافت میں جانا بطیب خاطر نہیں تھا، بلکہ اپنے مولا و آقا مہدی کے حکم پر اس کے ساتھ بغداد کا سفر کیا اور دس سال کے بعد یہیں پیوند خاک ہوئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بغداد آنے کے بعد بھی ابو معشر کے حالات پردۂ خفا میں ہیں اور

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۱۔

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ مہدی کے دربار سے منسلک رہے بھی یا نہیں، البتہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ان کے خاندان کو فتنۂ معاصرت سابقہ پڑا جس سے ان کی اولاد نے احساس کمتری میں مبتلا ہوکر عالی نسبی کا دعویٰ کیا تھا،

وفات

ابو معشر کو عمر کی آخری منزل میں ترک وطن کرکے بغداد آنا پڑا، اس وقت ان کی عمر ستّر سال کے لگ بھگ رہی ہوگی یہاں چند ماہ کم دس سال زندہ رہ کر رمضان ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے، قیام بغداد کی یہ مدت پیرانہ ضعف واضمحلال کی نذر رہی حتیٰ کہ انتقال سے دو سال پہلے ہوش وحواس میں شدید تغیر پیدا ہوگیا تھا، محدثین کے نزدیک اس عمر کی مرویات معتبر نہیں مانی جاتی ہیں ان کے شاگرد محمد ابن بکار کا بیان ہے:

کان ابو معشر تغیر قبل ان یموت تغیراً شدیداً حتی کان یخرج منہ الریح ولا یشعر بہ[1]	ابو معشر انتقال سے پہلے شدید اختلال وتغیر میں مبتلا ہوگئے تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی حرکات کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

اور خلیلی نے بیان کیا ہے:

وتغیر قبل ان یموت بسنتین تغیراً شدیداً[2]	ابو معشر انتقال سے دو سال پہلے سخت ذہنی اختلال میں مبتلا ہوگئے تھے۔

ابن سعد، خلیفہ بن خیاط، ابن قتیبہ، خطیب بغدادی اور بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ امام ابو معشر بغداد میں ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے خطیب نے محمد بن بکار کی روایت میں ماہ رمضان بھی لکھا ہے، یہ مہدی کے بعد ابو جعفر منصور کی خلافت کا ابتدائی دور تھا۔

ذاتی حالات اور ذکاوت وفراست

امام معشر کا بدن فربہ، رنگ سیاہ، اور ایک روایت کے مطابق گورا، اور زبان میں لکنت

---

[1] تاریخ بغداد ص ۴۲۹ ج ۱۳ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲

تھی، ذریعۂ معاش خیاطت یعنی کپڑے کی سلائی تھا، نہایت باوقار، مودب اور عابد وزاہد بزرگ تھے، ذکی الحس، فہیم اور فطین آدمی تھے، اس بارے میں مدینہ منورہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، دوسرے کمالات میں بھی بے مثل تھے ان کے شاگرد ہشیم بن بشیر کا بیان ہے:

ما رأيت مدنيا أكيس من أبي معشر وما رأيت مدنيا يشبهه [۱]	میں نے مدینہ کے کسی باشندہ کو ابو معشر سے زیادہ چالاک نہیں پایا اور نہ کسی مدنی کو ان کے مشابہ پایا۔

دوسرے شاگرد ابو نعیم کا بیان ہے:

كان أبو معشر كيسا حافظا [۲]	ابو معشر نہایت چالاک، معاملہ فہم اور حافظ حدیث تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہ دونوں اقوال تہذیب التہذیب میں بھی نقل کیے ہیں

لکنت اور ضعف حفظ

ذکاوت وکیاست کے باوجود ان میں دو غیر اختیاری کمزوریاں تھیں، اس لئے ان کو اپنی مرویات کی صحیح اور مستقیم سند کے ساتھ بیان کرنے میں دقت ہوتی تھی۔ ایک زبان میں لکنت وعجمیت جس کی وجہ سے حروف اور الفاظ کو صحیح طور سے ادا نہیں کر سکتے تھے، مثلاً کاف کو قاف کہتے تھے، دوسری کمزوری ضعف حفظ کی تھی (سوئے حفظ کی نہیں) امام ترمذی نے کہا ہے:

وقد تكلم فيه بعض أهل العلم من قبل حفظه [۳]	بعض اہل علم (محدثین) نے ان کے حافظ میں کلام کیا ہے۔

[۱] کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۳۹۴ [۲] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۹ [۳] جامع ترمذی کا باب ما جاء فی حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الہدیۃ۔

اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے:

وکان من اوعیۃ العلم علی نقص فی حفظہ[1] — ابو معشر حافظہ میں نقص کے باوجود علم کا خزانہ تھے۔

اسی کے ساتھ انتقال سے دو سال پہلے شدید قسم کے ذہنی انتشار و اختلال کا شکار ہو گئے تھے۔ اور اس دور کی روایات محدثین کے نزدیک معتبر نہیں مانی جاتی ہیں۔

حدیث و فقہ اور تفسیر و مغازی میں جامعیت

امام ابو معشر اپنے دور کے جملہ مدنی علوم و فنون کے جامع تھے اور فقہ و فتویٰ، حدیث و تفسیر، سیر و مغازی اور اخبار و ایام میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ تفقہ فی الدین کی شہرت ان کو بغداد لے گئی۔ اور خلیفہ مہدی نے اسی کی تعلیم کیلئے یہ کہہ کر اپنے پاس بلایا تھا:

تکون بحضرتنا فتفقہ من حولنا۔ — آپ ہمارے یہاں رہیں گے اور ہمارے آدمیوں کو فقہ کی تعلیم دیں گے۔

ابن القیسرانی نے الانساب المتفقہ میں ان کا تذکرہ فقہاء میں کیا ہے[2] اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں الفقیہ کے خطاب سے یاد کیا ہے[3]۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے[4] ابن قتیبہ نے اصحاب الحدیث کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے[5]۔ امام ذہبیؒ نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، ان کے استاد محمد بن کعبؒ قرظی اعلم بتاویل القرآن تھے، شاگرد بھی تفسیر کے مستند عالم ہیں، امام احمدؒ نے ان سے محمد بن کعبؒ کی تفسیری روایات لینے کا مشورہ دیا ہے، اسی کے ساتھ ابو معشر سیر و مغازی، اخبار و احداث میں امامت کا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶ [2] الانساب المتفقہ ص ۷۷، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶۔
[4] طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۴۱۸۔ [5] المعارف ص ۲۲۰۔

درجہ رکھتے ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے:

کان بصیرا بالمغازی [1] — وہ مغازی کے صاحب نظر عالم تھے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے:

عارف بالاحداث والسیر واحد المحدثین [2] — وہ تواریخ واحداث اور سیر و مغازی کے عارف اور محدث تھے۔

خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا ہے:

وکان من اعلم الناس بالمغازی [3] — وہ مغازی کے سب سے بڑے عالم تھے،

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب المغازی اور العبر میں صاحب المغازی والاخبار لکھا ہے، خلیلی نے ان کی جامعیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ابو معشر لہ مکان فی العلم والتاریخ وتاریخہ احتج بہ الائمۃ [4] — علم اور تاریخ میں ابو معشر کا خاص مقام ہے اور ان کی کتاب المغازی کو ائمہ نے قابل حجت اور مستند قرار دیا ہے۔

اسی طرح زہد ورقائق کے باب میں علماء نے انکی مرویات کو خاص اہمیت دی ہے، اور انکی روایت کی تلقین کی ہے۔

کتاب المغازی مدینہ منورہ احادیث و آثار اور فقہ وفتوی کی طرح اخبار واحداث اور سیر و مغازی کے اہل درس اور اصحاب تصانیف علمائے تابعین کا مرکز تھا، اور ابو معشر کے دور شباب میں ان حضرات کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ ان میں عروہ بن زبیرؓ بن عوام مدنی متوفی ۹۴ھ ابان بن عثمان بن عفان مدنی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸ [2] الفہرست ابن ندیم ط ۱۳۶ [3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۷
[4] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۲۲

متوفی ۱۰۵ھ عاصم بن عمر بن قتادہ مدنی متوفی ۱۲۰ھ شرحبیل بن سعد مدنی متوفی ۱۲۳ھ
محمد بن مسلم ابن شہاب زہری مدنی متوفی ۱۲۴ھ، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم مدنی متوفی ۱۳۵ھ
ولید بن کثیر مدنی متوفی ۱۵۱ھ، موسیٰ بن عقبہ مدنی متوفی ۱۴۱ھ، عبداللہ بن جعفر مدنی
متوفی ۱۷۰ھ، محمد ابن اسحاق مدنی متوفی ۱۵۱ھ وغیرہ اصحاب السیر والمغازی تھے، ان میں موسیٰ
بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق نے مغازی کے موضوع پر سب سے پہلے کتابیں تصنیف کیں جو بعد
میں اس موضوع کے لئے ماخذ ثابت ہوئیں۔ ان میں کئی حضرات ابومعشر کے شیوخ ہیں اور
تقریباً سبھی ان کے بزرگ معاصر ہیں، اور موسیٰ بن عقبہ سے اخذ وکسب کی تصریح کتابوں میں
ہے۔ طبقۂ تابعین کے یہ علمائے سیر ومغازی عام طور سے ایک جگہ بیٹھ کر اس موضوع پر
مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ اور ابومعشر غور سے سنتے تھے، اس طرح ان کے پاس سیر ومغازی
کا نہایت معتبر ومنقح علم جمع ہوگیا تھا، جس کو بعد میں انھوں نے کتاب المغازی کے نام سے
مرتب کیا۔

ایک مرتبہ اہل علم نے محمد بن ابومعشر سے دریافت کیا کہ آپ کے والد نے علم مغازی
کیسے محفوظ کیا، تو انھوں نے بتایا:

کان التابعون یجلسون الی استاذہ فکانوا یتذاکرون المغازی، فحفظ[1]	علمائے تابعین ان کے استاذ کے پاس بیٹھ کر مغازی کے موضوع پر بحث ومذاکرہ کیا کرتے تھے، اور ان کی باتوں کو انھوں نے یاد کرلیا۔

ہمارا خیال ہے کہ سیر ومغازی میں ابومعشر کے خصوصی استاذ موسیٰ بن عقبہ مدنی ہیں جنکے
پاس حضرات تابعین اکثر اس موضوع پر بحث ومذاکرہ کیا کرتے تھے، امام مالک ابن اسحاقؒ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸

کے سخت منکر تھے، اور ان کے مقابلہ میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے قائل بلکہ مبلغ تھے وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے تم مردِ صالح موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی پڑھو کیونکہ وہ اصح المغازی ہے، موسیٰ ثقہ آدمی ہیں انھوں نے کبر سنی میں یہ علم حاصل کیا ہے۔ اور دوسروں کی طرح اکثار واطناب سے کام نہیں لیا ہے، ان کی کتاب المغازی میں جن شرکائے بدر کا تذکرہ ہے وہ واقعی اس میں شریک تھے، محمد بن طلحہ بن طویل کا قول ہے کہ مدینہ میں موسیٰ بن عقبہ سے بڑا کوئی مغازی کا عالم نہیں تھا[1]

موسیٰ بن عقبہ اور دوسرے اصحابِ مغازی کے ساتھ ابو معشر کے تلمذانہ اور معاصرانہ تعلقات تھے۔ اور ان ہی کی طرح وہ بھی اس فن کے مستند عالم مانے جاتے تھے ایک ہی دور میں موسیٰ بن عقبہ محمد بن اسحاق اور ابو معشر اور ان کے تلمیذ قاضی علی بن مجاہد کابلی نے اپنی اپنی کتاب المغازی لکھی، ابن ندیم نے ابو معشر کی کتاب المغازی کا تذکرہ کیا ہے[2] اسی کو خلیلی نے ان کی تاریخ کہا ہے، جس کو ائمہ علم وفن نے حجت اور دلیل مانا ہے ابو معشر سے ان کے تلامذہ نے کتاب المغازی کی سماعت و روایت کی ہے ان کے صاحبزادے محمد بن ابو معشر نے بھی اس کی روایت کی ہے خطیب نے لکھا ہے:

سمع من ابیہ کتاب المغازی وغیرہ[3]	محمد بن ابو معشر نے اپنے والد سے کتاب المغازی وغیرہ کی روایت کی ہے۔

اور محمد بن ابو معشر سے ان کے صاحبزادے داؤد نے اسکی روایت کی خطیب ہی نے لکھا ہے:

حدث عن ابیہ عن ابی معشر	داؤد نے اپنے باپ محمد سے، اور انھوں نے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۱ [2] الفہرست ص ۱۳۶۔

[3] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۲۷۔

کتاب المغازی[۱] اپنے باپ ابو معشر سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے۔

اور ان سے اس کی روایت قاضی احمد بن کامل نے کی، ابو معشر کے شاگرد علی بن مجاہد کابلی نے اپنے استاد کی کتاب المغازی کی ان سے روایت کر کے خود بھی کتاب المغازی لکھی۔

ابو معشر کی کتاب المغازی بھی ان کے استاذ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کیطرح نہایت مستند و معتبر تھی، اور ائمہ حدیث اس کو حجت مانتے تھے، یہ کتاب کئی صدیوں تک اہل علم میں متداول رہی، سیر و مغازی اور رجال و طبقات کی کتابوں میں جستہ جستہ اس کی مرویات ملتی ہیں۔

ائمہ جرح و تعدیل کے آراء و اقوال

عام طور سے محدثین نے احادیث کی مسانید و جوامع مدون کرنے کے ساتھ تواریخ و اخبار طبقات و رجال اور سیر و مغازی پر کتابیں لکھیں، کیونکہ یہ علوم حدیث کیلئے ضروری ہیں۔ متقدمین و متاخرین میں شاید ہی کوئی مشہور محدث ہو جس نے تاریخ و طبقات میں کوئی کتاب نہ لکھی ہو ان میں سے بہت سے اخبار و تواریخ میں کثرت تصانیف یا کثرت روایت کی وجہ سے اخباری کے لقب سے مشہور ہو گئے، اور محدثین کے نزدیک ان کی شخصیت مختلف فیہ ہو گئی، مگر امام ابو معشر صاحب المغازی اور اخباری ہونے کے باوجود ائمہ حدیث و فقہ کے زمرہ ہی میں شمار کیے گئے، اور محدثین کے نزدیک انکی روایات مستند و معتبر مانی گئیں، البتہ دوسرے بہت سے ائمہ حدیث کی طرح جرح و تعدیل کے اصول پر ان کو بھی پرکھا گیا، اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک ابو معشر صدوق و ثقہ اور کثیر الحدیث محدث ہیں اور بعضوں نے انکو ضعیف قرار دیا ہے۔ کچھ علماء نے تفصیل سے کام لے کر کہا ہے کہ

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۷۶۔

ابو معشر کے خلاف فلاں استاد کی مرویات ضعیف یا منکر ہیں، محتاط علمائے حدیث نے ان سے سند احادیث کی روایت میں احتیاط کی ہے کیونکہ وہ صاف اور صحیح طور سے سند بیان نہیں کر سکتے تھے، امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق کہا ہے:

کان صدوقاً لکنہ لا یقیم الاسناد لیس بذلک[1]	وہ صدوق تھے مگر اسناد کو صاف و صحیح طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔

لَیسَ بذلک کی اصطلاح ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک جرح کے پانچویں درجے پر ہے اور اس کے باوجود حدیث مقبول ہوتی ہے[2]۔

ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ میں پہلے ابو معشر کی حدیث سے گھبراتا تھا مگر جب میں نے دیکھا کہ امام احمد ابن حنبلؒ ایک واسطہ سے ان سے روایت کرتے ہیں تو میں نے بھی ان کی حدیث کی کتابت و روایت میں توسع سے کام لینا شروع کر دیا[3]۔ اثرم نے امام احمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

حدیثہ عندی مضطرب لا یقیم الاسناد، ولکن اکتب عنہ حدیثہ اعتبر بہ[4]	ان کی حدیث میرے نزدیک مضطرب ہے، وہ اسناد کو ٹھیک طور سے بیان نہیں کرتے ہیں، پھر بھی میں ان کی حدیث کو لیتا ہوں۔ اور ان کا اعتبار کرتا ہوں۔

محدثین کے نزدیک مضطرب وہ حدیث ہے جس کو کوئی راوی بیان کرے اور اسی کو دوسرا راوی اس کے خلاف بیان کرے، امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی ابو معشر کے شاگرد رشید ہیں۔ ان کا قول اپنے استاد کے بارے میں یہ ہے:

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ا ص ۴۹۴ [2] جواہر الاصول ص ۶۱ بیروت [3] کتاب الجرح والتعدیل ج ۴، قسم ا ص ۴۹۴ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۰۔

کان ابو معشر یعرف وینکر[1] ابو معشر معروف ومنکر دونوں قسم کی حدیث روایت کرتے تھے۔

منکر وہ حدیث ہے جس کو غیر ثقہ راوی بیان کرے۔

ان کے تلمیذ امام عبد الرزاق صنعانی نے کہا ہے۔

اکثر الناس ضعف ابا معشر ومع ضعفہ یکتب حدیثہ[2]۔ اکثر علماء نے ابو معشر کو ضعیف کہا ہے ان کے ضعف کے باوجود انکی حدیث روایت کی جائے گی،

ابن عدی نے لکھا ہے:

حدث عنہ الثقات ومع ضعفہ یکتب حدیثہ،[3] ان سے ثقات نے روایت کی ہے ان کے ضعیف ہونے کے باوجود ان کی حدیث روایت کی جائیگی۔

ایک اور مشہور تلمیذ ابو نعیم فضل بن دکین کا قول ہے:

ھو صالح لین الحدیث محلہ الصدق[4] وہ صالح لین الحدیث اور صادق ہیں۔

امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ دونوں نے ابو معشر کو صدوق کہا ہے، ابو زرعہ نے صدوق فی الحدیث کے ساتھ لیس بالقوی بھی کہا ہے۔ الغرض عام محدثین کے نزدیک ابو معشر صدوق، ثقہ اور صالح ہیں۔ ساتھ ہی ان کو لین الحدیث، لایقیم الاسناد اور ضعیف بھی کہا گیا ہے۔

امام بخاریؒ نے ابو معشر کو منکر الحدیث اور ابن سعد نے کثیر الحدیث ضعیف کہا ہے، یحییٰ بن سعید ان سے روایت نہیں کرتے تھے، ان کی تضعیف کرتے تھے۔ ان کا تذکرہ کرکے

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل [2] میزان الاعتدال ج ۳، ص ۲۲۹ [3][4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۱

ہنسا کرتے تھے ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف کہا ہے، امام یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں کئی طرح سے اقوال منقول ہیں۔ (۱) لیس بقوی فی الحدیث (۲) ضعیف، اسنادہ لیس بشئ یکتب رقاق حدیثہ (۳) لیس بشئ ابو معشر ریح (۴) ضعیف یکتب من حدیثہ الرقاق وکان امیاً یتقی من حدیثہ المسند، یعنی ابو معشر ضعیف ہیں البتہ ان سے زہد و رقاق کی حدیث روایت کی جائے گی وہ امی تھے ان کی مسند حدیث سے بچنا چاہئے، ساجی نے بھی کہا ہے کہ ابو معشر منکر الحدیث، امی صدوق تھے، البتہ وہ غلطی نہیں کرتے تھے۔[1] حافظ حدیث، فقیہ اور کتاب المغازی کے مصنف کو امی، اَن پڑھ کے معنیٰ میں کہنا عقل و نقل کے خلاف ہے، زبان میں لکنت اور ضعف حفظ کی وجہ سے احادیث کی سند صحیح اور مستقیم طور سے ادا نہ کرنے سے امی نہیں کہا جا سکتا، امام ابن معین کی طرف اس قول کی نسبت میں ہمیشہ شبہہ ہے۔

اس سے بڑھ کر ابو معشر کے ایک معاصر نے ان کو تمام زمین اور آسمان والوں سے زیادہ جھوٹا کہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قائل کو گمنام کر دیا اور ابو معشر کو عزت و رفعت بخشی، یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابو حمزہ نصر بن طریف کو کہتے ہوئے سنا:

ابو معشر اکذب من فی السماء ومن فی الارض، قال فقلت فی نفسی ھذا علمك بالارض فکیف علمك بالسماء قال یزید فوضع اللہ

ابو معشر تمام زمین اور آسمان والوں سے زیادہ جھوٹے ہیں، میں نے دل میں سوچا کہ زمین کے بارے میں تمہارا یہ علم ہے، آسمان کے بارے میں تم کو کیسے علم ہوا؟ انجام یہ ہوا کہ اللہ

---

[1] تاریخ کبیر، کتاب الجرح والتعدیل، تہذیب التہذیب تاریخ بغداد، میزان الاعتدال وغیرہ ملاحظہ ہو۔

ابا جزءٍ و رفع ابا معشر[1] تعالیٰ نے ابوجزر کو گرادیا اور ابومعشر کو اٹھادیا۔

ابن ابی حاتم نے یزید بن ہارون کا تاثر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ثبت حدیث ابی معشر و ذھب حدیث ابی جزء[2] ابومعشر کی حدیث باقی رہی اور ابوجزر کی حدیث فنا ہوگئی۔

ابومعشر کے متعلق ابوجزر نے یہ بات بغداد میں ان کی مقبولیت و مرجعیت اور دربار خلافت سے وابستگی کو دیکھ کر کہی ہوگی جس کا وبال ان پر پڑا۔

علماء نے ابومعشر کے بارے میں ان کی مرویات کا تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ ان کے فلاں استاد کی مرویات معتبر و صالح ہیں۔ اور فلاں استاد کی مرویات منکر ہیں، امام احمدؒ کا قول ہے کہ ابومعشر کی ان احادیث کی روایت کی جائے گی جو انھوں نے محمد بن کعب سے تفسیر میں بیان کی ہیں، علی بن مدینی کا قول ہے کہ ابومعشر محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے احادیث صالحہ کی اور نافع اور سعید مقبری سے منکر احادیث کی روایت کرتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس نے اسی میں ہشام بن عروہ اور محمد بن منکدر سے ان کی روایات کو بھی شامل کیا ہے۔

ابونعیم نے کہا ہے کہ انھوں نے نافع، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، اور محمد بن عمرو سے موضوعات کی روایت کی ہے، ابومعشر کی طرف موضوع احادیث کی نسبت ان کے ساتھ سخت ناانصافی ہے، کسی دوسرے نے یہ بات نہیں کہی ہے، اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے ان کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے:

قلت افحش فیہ القول فلم یصب وصفہ[3] ابونعیم نے ابومعشر کے بارے میں بڑی سخت بات کہی ہے وہ ان کی شناخت نہ کر سکے

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۴۲۹ ۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۴۲۰ ۔ [2] کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱، ص ۴۹۴ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲ ۔

خلیلی نے کہا ہے کہ ابو معشر کچھ احادیث میں منفرد تھے، اور امام شافعیؒ ان سے روایت کرنے سے رکتے تھے۔

محمد بن ابو معشر سندی بغدادی

امام ابو معشر مدینہ میں متاہل زندگی بسر کرتے تھے، اور یہاں ان کا خاندان رہتا تھا اولاد و احفاد میں دینی وعلمی ذوق تھا ان کے صاحبزادے ابو عبد الملک محمد بن ابی معشر اجلۂ محدثین سے ہیں۔ اپنے والد کے علوم کے وارث اور خاتمۃ الاصحاب اور ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں۔

انکی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۴۶ھ کے حدود میں ہوئی، بارہ تیرہ سال کی عمر تک مدینہ منورہ میں رہے، پھر والد کے ساتھ بغداد چلے آئے، فقیہ مدینہ حضرت ابن ابی ذئب (ابو الحارث محمد بن عبد الرحمٰن ابن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب ہشام بن شعبہ قرشی) مدنی متوفی ۱۵۹ھ اور امام ابو بکر ہذلی (سلمی اخباری بصری) متوفی ۱۶۷ھ کی زیارت کی تھی، اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، ان سے کتاب المغازی کی روایت کرکے ان کے خاتمۃ الاصحاب ہوئے یعنی وہ اپنے والد ابو معشر کے آخری شاگرد ہیں؎ ان کے علاوہ ابو عبد الرحمٰن نضر بن منصور غزی کوفی اور ابو نوح انصاری سے روایت کی، اور ان سے ان کے دونوں صاحبزادوں داؤد اور حسین کے علاوہ ابو حاتم رازی، محمد بن لیث جوہری، ابو یعلیٰ موصلی، احمد بن علی بن مثنیٰ، امام ترمذی، ابن ابی الدنیا، محمد بن جریر الطبری، ابو بکر بن مجذر، ابو حامد حضرمی، اور دوسرے محدثین نے روایت کی،

محمد بن ابو معشر ائمہ حدیث کے نزدیک صدوق وثقہ ہیں، ابن حبان نے انکو ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے ثقہ کہا ہے، ابن ابی حاتم رازی نے محلہ الصدق بتایا ہے ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

شیخ الترمذی صدوق وثقہ	وہ امام ترمذی کے استاذ اور ثقہ ہیں، ابو یعلیٰ
ابو یعلی واشار ابن معین	نے انکو ثقہ کہا ہے، اور ابن معین نے ان میں

لین اور نرمی کا اشارہ کیا ہے،

الی لین نیہ۔

ابن معین کے اس اشارہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حسین بن حبان نے یحییٰ بن معین سے محمد بن ابو معشر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ محمد بن ابو معشر ہمارے شہر مصیصہ میں ایک مسجد کی بنیاد رکھنے کے موقع پر آئے، میں نے حجاج بن محمد الاعور سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی، پھر کہا کہ میں اس سلسلہ میں کچھ کہنا پسند نہیں کرتا ہوں مگر آپ کے سوال کا جواب دینا ضروری ہے محمد بن ابو معشر ایک مرتبہ میرے یہاں (بغداد) میں آئے اور مجھ سے ایک کتاب طلب کی جسے میں نے ان کے والد ابو معشر سے پڑھا تھا انھوں نے یہ مجھ سے لے کر لکھ لی، اور مجھ سے اس کا سماع نہیں کیا۔

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابوالحسین بن قطان نے محمد بن ابو معشر کو غیر معروف لوگوں میں شمار کیا ہے (وعدہ ابو الحسین بن القطان فی من لا یعرف) یہ ان کا قصور ہے، اس سے تم کو دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، ابوالحسین بن قطان نے مشاہیر کی ایک جماعت کو بھی غیر معروف بتایا ہے۔ اور ان کی اقتدار میں ابو محمد بن حزم نے بھی ایسا ہی کیا ہے اگر یہ دونوں ایسے لوگوں کو لا یعرف کے بجائے لا نعرف (ہم ان کو نہیں جانتے) کہتے تو بہتر ہوتا، البتہ محمد بن ابو معشر نجیح کے نام سے ایک اور عالم ہیں جن کا تذکرہ ابن عدی نے کر کے "لیس بمعروف" لکھا ہے۔

محمد بن ابی معشر کو خلیفہ مہدی ان کے والد کے ساتھ بغداد لایا، جہاں انھوں نے مستقل سکونت اختیار کر کے متاہل زندگی بسر کی ان کے دو صاحبزادوں داؤد اور حسین نے بتایا ہے کہ ان کے والد ۲۴۷ھ میں بغداد میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ننانوے (۹۹) سال آٹھ دن کی تھی، اور ابن قانع نے کہا ہے کہ وہ ۲۴۴ھ میں فوت ہوئے۔[1]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۲۶، کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ ص ۱۱۰، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۴۳، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۸۸

امام ترمذیؒ نے بَابُ مَاجَاءَاِنَّ مَابَیْنَ المَشرِقِ والمَغرِبِ قِبلَةٌ میں ان سے یہ روایت کی ہے:

حدثنا محمد بن ابی معشر، قالی عن محمد بن عمرو، عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مابین المشرق والمغرب قبلۃ۔[۱]	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

اور خطیب نے تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ان سے یہ روایت کی ہے۔

محمد بن اللیث الجوھری قال حدثنا محمد بن ابی معشر المدنی حدثنا ابی، عن نافع، عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام[۲]	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اسکی کم مقدار بھی حرام ہے۔

حسین بن محمد بن ابو معشر معشری بغدادی

محمد بن ابی معشر کے دو لڑکوں کا حال کتابوں میں ملتا ہے۔ حسین اور داؤد، ابو بکر حسین بن محمد ابو معشر سندی بغدادی معشری کی نسبت سے مشہور ہیں، بغداد کے محلہ شارع باب خراسان میں رہتے تھے، انھوں نے اپنے والد محمد بن ابی معشر اپنے دادا کے شاگرد وکیع بن جراح اور محمد بن ربیعہ سے حدیث کی روایت کی، اور ان سے محمد بن احمد حکیمی اسمٰعیل بن محمد الصفار، علی بن اسحاق مادرانی، عثمان بن احمد دقاق، اور ابو عمرو بن سماک نے روایت کی، امام وکیع سے خصوصی تلمذ و تعلق

۱؎ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۰۹ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۲، ص ۳۲۷۔

کی وجہ سے "صاحب وکیع" مشہور تھے، عبدالباقی بن قانع کا قول ہے کہ ابن ابی معشر صاحب وکیع ضعیف ہیں، علی بن المنادی نے کہا ہے کہ ابو معشر مدنی کی اولاد میں معشری شارع باب خراسان میں رہتے تھے، انھوں نے امام وکیع سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ ثقہ نہیں تھے، اس لئے لوگوں نے ان سے روایت ترک کر دی، دوشنبہ ۹ رجب ۲۷۵ھ میں انتقال کیا، اسی دن ابو عوف بزوری بھی فوت ہوئے تھے۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ان سے یہ روایت کی ہے!

حدثنا محمد بن احمد بن ابراهیم . . . .
الحکیمی، حدثنا ابوبکر الحسین . . . .
بن محمد بن ابی معشر انبانا وکیع . . . .
بن الجراح عن عیینة بن عبدالرحمن . . . . .
بن جوشن عن ابیه عن بریدة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم علیکم هدیًا قاصدًا انه من یشاد هذا الدین یغلبه۔

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ دین کے بارے میں درمیانی روش اختیار کرو، کیونکہ جو شخص دین سے مقابلہ کرتا ہے اس کو دین مغلوب کر دیتا ہے۔

نیز خطیب نے ان کے دو شاگردوں اسماعیل بن محمد الصفار اور عثمان بن احمد الدقاق سے یہ اثر نقل کیا ہے:

حدثنا ابوبکر حسین بن ابی معشر . . .
حدثنا وکیع عن هشام الدستوائی . . .
عن قتادة، عن الحسن، عن قیس . . . .
بن عباد قال کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یکرهون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جنازہ قتال اور ذکر کے موقع پر آواز بلند کرنے کو

رفع الصوت عند الجنائز، وعند القتال وعند الذکر[1] ... مکروہ سمجھتے تھے۔

داؤد بن محمد بن ابی معشر بغدادی

ابوسلیمان داؤد بن محمد بن ابی معشر نجیح بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے دادا ابومعشر کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے۔ اور ان سے ان کی روایت قاضی احمد بن کامل نے کی ہے[2]۔

ابومعشر کی مسند احادیث

محدثین کی اصطلاح میں مسند ایسی حدیث ہے جس کی سند اس کے پہلے راوی سے آخری راوی تک متصل ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سلسلہ مل جائے، ابومعشر کے بارے میں کئی علمائے حدیث کا قول ہے کہ وہ اپنی مرویات واحادیث کی سند صحیح طور سے بیان نہیں کرتے ہیں اس لئے ان مسند روایات محل نظر ہیں۔ ان کی چند مروی احادیث وآثار درج کی جاتی ہیں، دو حدیثیں جامع ترمذی میں، ایک سنن ابوداؤد میں اور باقی دوسری کتابوں میں ہیں۔

(۱) سنن ترمذی باب ماجاء ان مابین المشرق والمغرب قبلۃ" میں ہے،

حدثنا محمد بن ابی معشر نا ابی ... عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مابین المشرق والمغرب قبلۃ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

(۲) اور دوسری حدیث باب ماجاء فی حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الھدیۃ میں ہے:

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸، ص ۹۱ [2] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۷۶

حدثنا ازهر بن مروان البصری
نا محمد بن سواء، نا ابو معشر
عن سعید، عن ابی هریرة عن
النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال تهادوا
فان الهدیة تذهب وحر الصدر و
لا تحقرن جارة لجارتها ولو شق
فرسن من شاة:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو، کیونکہ ہدیہ دل کا غبار ختم کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کیلئے اگرچہ بکری کی کھر کا ہدیہ ہو حقیر نہ جانے۔

اس پر امام ترمذیؒ نے لکھا ہے:

ھٰذا حدیث غریب من ھٰذا الوجه

یہ حدیث اس سلسلۂ سند سے غریب ہے۔

غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ایک عادل ضابط راوی بیان کرے، اور اسکی حدیث کی روایت کی جاتی ہو۔

اس حدیث کی تخریج امام احمدؒ نے بھی کی ہے[1]

میزان الاعتدال میں اسی سند سے یہ حدیث ہے مگر اس میں "وحر" کے بجائے "وھن" ہے اور "فرسن شاة" ہے۔

(۳) سنن ابی داؤدؒ باب اکل اللحمؒ میں یہ حدیث ہے:

حدثنا سعید بن منصور، نا ابو معشر
عن هشام بن عروة عن ابیه عن
عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تقطعوا اللحم بالسكين فانه

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھانا کھاتے وقت گوشت کو چاقو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ اہل عجم

---

[1] تحفة الاحوذی ج ۳ ص ۱۹۴ ۔

من صنیع الاعاجم وانهسوہ فانہ اهنأ وامرأ | کا طریقہ ہے بلکہ اس کو منہ سے نوچو، یہ زیادہ مزیدار اور لذت دار ہے۔

امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کا ابتدائی حصہ[۱] نقل کر کے اس کو ابو معشر کے منکرات میں شمار کیا ہے[۲] میزان الاعتدال میں ہے:

(۴) عبد الرزاق عن ابی معشر عن ابن المنکدر عن جابر مرفوعاً ان اللہ لیدخل بالحجۃ الواحدۃ ثلاثۃ الجنۃ المیت والحاج عنہ والمنفذ ذلک۔	حضرت جابر رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ میت کو اور اس کی طرف سے حج کرنے والے کو اور اس کے نافذ کرنے والے کو۔

میزان الاعتدال ہی میں اس سے پہلے اس حدیث کا ابتدائی ٹکڑا یوں ہے:

وقد روی عبد الرزاق من طریقہ حدیث جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل اللہ بالحجۃ الواحدۃ ثلاثۃ الجنۃ[۳]	اللہ تعالیٰ ایک حج سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔

اس کے بعد ہی امام عبد الرزاق کا یہ قول ہے: اکثر الناس ضعف ابا معشر ومع ضعفہ یکتب حدیثہ" مطبوعہ مصنف عبد الرزاق[۳] کے ابواب الحج میں یہ حدیث مجھ کو نظر نہیں آئی۔

(۵) میزان الاعتدال میں سعید بن منصور کے حوالہ سے ہے کہ امام ابو معشر نے امام اعمش کے سامنے یہ حدیث بیان کی:

---

[۱] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹ [۲] ایضاً، [۳] معارف میزان الاعتدال میں دوسری روایت عبد الخلد سے منقول ہے۔

(ابومعشر) حدثنی نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام وحدثنی موسی بن عقبۃ عن سالم عن ابیہ مرفوعاً مثلہ[1]

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کا زیادہ حصہ نشہ پیدا کرے اس کا کم حصہ بھی حرام ہے۔

خطیب نے تاریخ بغداد میں اس حدیث کو ان ہی الفاظ کے ساتھ محمد بن ابو معشر کے ذکر میں، محمد بن لیث جوہری کی روایت سے بیان کیا ہے، سنن سعید بن منصور کا مطبوعہ حصہ کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، اور کتاب الطلاق پر مشتمل ہے۔ اور یہ حدیث کتاب الاشربہ کی ہے جو اب تک غیر مطبوعہ ہے، اور المنتقیٰ لابن الجارود میں یہ حدیث محمد بن منکدر سے یوں مروی ہے۔

عن داؤد بن بکر بن الفرات عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام[2]

جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کا زیادہ حصہ نشہ پیدا کرے اس کا کم حصہ بھی حرام ہے۔

(٦) میزان الاعتدال میں ہے:

محمد بن بکار حدثنا ابو معشر عن المقبری، عن ابی ہریرۃ مرفوعاً، دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان فاجراً ففجورہ علی نفسہ۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مظلوم کی دعا مقبول ہے۔ اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو، اس کے فسق و فجور کا وبال اس کے اوپر ہے۔

امام ذہبیؒ نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے:

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۹۔

[2] منتقی ابن جارود ص ۲۹۱

ھذا الحدیث رواہ سفیان الثوری مع تقدمہ علی ابی معشر[1]	سفیان ثوری نے ابو معشر سے متقدم ہونے کے باوجود ان سے اسکی روایت کی ہے۔

(۷) میزان الاعتدال میں ہے:

ابو الربیع الزھرانی، حدثنا ابو معشر نجیح عن سعید بن ابی سعید عن ابی ھریرۃ مرفوعاً، لاتقوم الساعۃ حتی تعبد اللات والعزیٰ قال ابو ھریرۃ وکانی انظر الی نساء دوس یصطففن بالیاتھن علی صنم یقال لہ ذو الخلیصۃ[2]	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لات و عزیٰ کی عبادت کی جائے گی، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ گویا میں قبیلۂ دوس کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ذو الخلیصہ نامی بت پر جمع ہیں۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ جمع الفوائد میں یوں آئی ہے:

ابو ھریرۃ رفعہ: لاتقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس علی ذی الخلیصۃ وذو الخلیصۃ طاغیۃ دوس التی کانوا یعبدون فی الجاھلیۃ[3]	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوس کی عورتیں ذو الخلیصہ سے لپٹیں گی، ذو الخلیصہ قبیلۂ دوس کا بت تھا جسکی وہ زمانۂ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔

(۸) میزان الاعتدال میں ہے:

محمد بن ابی معشر حدثنا ابی عن المقبری، عن ابی ھریرۃ مرفوعاً لاتقولوا	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی

[1] میزان الاعتدال ج ۳، ص ۲۲۹ [2] ایضاً [3] جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۹،

رمضان، فان رمضان اسم من اسماء الله، ولکن قولوا شهر رمضان۔

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان نہ کہو کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے بلکہ شہر (ماہ) رمضان کہو۔

ذہبی نے اس کو ابو معشر کی منکر احادیث میں شمار کیا ہے[1]

(۹) ابو القاسم حمزہ بن یوسف سہمی نے تاریخ جرجان میں امام ابو بکر اسماعیلی کے ذکر میں ان کی سند سے ابو معشر کی یہ حدیث بیان کی ہے:

..حدثنا بشر بن الولید ... ...

الکندی، حدثنا ابو معشر ... ...

المدنی عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من جاء منکم الی الجمعة فلیغتسل[2]۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص نماز جمعہ کو جائے وہ غسل کر لے۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کتاب الزہد والرقائق کے باب ذکر رحمۃ اللہ تبارک وتعالیٰ وجل وعلا' میں ابو معشر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر اور اس کے ضمن میں محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بیان کی ہے:

اخبرکم ابو عمر بن حیویة قال حدثنا ... ...

الحسین، قال اخبرنا عبد الله ... ...

قال اخبرنا ابو معشر المدنی قال ... ...

حدثنی محمد بن کعب القرظی قال حدثنی عبد الله بن دارة مولی

محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ مجھ سے حضرت عثمانؓ کے غلام عبداللہ بن دارہ نے حمران

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹ [2] تاریخ جرجان ص ۱۶۰

عثمان بن عفان، عن حمران مولى عثمان
بن عفان قال مرت على عثمان فخارة
من ماء فدعا به فتوضأ فاسبغ وضوءه
ثم قال لو لم اسمعه من رسول الله
صلى الله عليه وسلم الا مرة او مرتين او
ثلاثا ما حدثتكم به انى سمعت رسول
الله صلى الله عليه وسلم يقول ما توضأ
عبد فاسبغ الوضوء ثم قام الى الصلوٰة
الا غفر له ما بينه وبين الاخرىٰ ۔

مولیٰ عثمان سے روایت کی ہے کہ حضرت
عثمانؓ نے مٹی کے برتن میں پانی طلب
کر کے اچھی طرح وضو کیا پھر کہا کہ اگر میں نے
اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک یا دو یا تین بار سنا ہوتا تو تم سے
بیان نہیں کرتا ۔ مگر بار بار رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ
پوری طرح وضو کر کے نماز پڑھتا ہے اللہ
تعالیٰ اس نماز اور دوسری نماز کے درمیانی
گناہ کو بخش دیتا ہے ۔

. . . . . .

قال محمد بن کعب وکنت اذا
سمعت حديثا عن رجل من اصحاب
النبى صلى الله عليه وسلم التمسته فى
القرآن فالتمست هذا فوجدت
اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ
مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ
نِعْمَتَهُ فعلمت ان الله لم يتم عليه
النعمة حتى غفر له ذنوبه ثم قرأت
الآية التى فى سورة المائدة
"اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ حتى بلغ ولكن

محمد بن کعبؓ نے کہا کہ جب میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے کوئی حدیث
سنتا ہوں تو اس کا مطلب قرآن میں تلاش
کرتا ہوں، چنانچہ میں نے اس حدیث کے
بارے میں تلاش کیا تو سورہ فتح کی یہ آیت
پائی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ
اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَ
يُتِمَّ نِعْمَتَهُ ۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ
تعالیٰ نے آپؐ کو ذنوب کی مغفرت کر کے
آپ پر اتمام نعمت فرمایا، پھر میں نے سورہ
مائدہ کی یہ آیت پڑھی " اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ فعرفت ان الله لم يتم عليهم النعمة حتى غفر لهم[1]

فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ (الی) وَلَكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ "، تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مغفرت کرکے ان پر اتمام نعمت کیا ہے۔

(۱۱) میزان الاعتدال میں ہے:

ابو معشر عن الحويرث قال مكث موسى بعد ان كلمه الله اربعين يوما لايراه احد الامات، رواه الحاكم فی مستدرکہ

ابو معشر نے حویرث بن ذباب مدنی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ کے ہمکلام ہونے کے بعد چالیس دن تک جو شخص ان کو دیکھتا تھا وہ مرجاتا تھا، ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں اس کی روایت کی ہے۔

امام ذہبیؒ نے اس روایت کو بھی ابو معشر کے منکرات میں شمار کیا ہے[2]

۱۔ کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک ص ۳۱۶

۲۔ میزان الاعتدال ج ۳، ص ۳۲۹

آلِ مقسم قیقانی بصریؒ

امام ابن عُلَیَّہ بصری اور دیگر علماء و محدثینؒ

ہندوستان کے جو علمی و دینی خانوادے عرب کے مطلع پر صدر اسلام میں چمکے اور ان کے علم و فضل کی روشنی سے صدیوں تک عالم اسلام منور رہا، ان میں سے ایک خانوادہ آلِ مقسم قیقانی سندھی بھی ہے، جس میں ریحانۃ الفقہاء، سید المحدثین، امام حافظ ابن عُلَیَّہ اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم بصری، ربعی بن ابراہیم بن مقسم بصری، اسحاق بن ابراہیم بن مقسم بصری، ابراہیم بن اسمٰعیل ابن علیہ حماد بن اسمٰعیل بن علیہ اور محمد بن اسمٰعیل بن عُلَیَّہ جیسے مشاہیر علماء و محدثین گذرے ہیں آج ہم پہلی بار ہندوستان کے اس علمی و دینی خاندان کا تذکرہ پیش کر رہے ہیں جس کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

علاقہ سندھ قیقان (کیگان قلات) کی فتوحات مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آلِ مقسم قیقانی سندھی بصری کے قدیم وطن قیقان کے محلِ وقوع، تاریخی حالات اور فتوحات کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیا جائے تاکہ اندازہ ہو کہ کفر و شرک کی کیسی شدید ظلمتوں سے ایمان و یقین اور علم و فضل کے یہ آفتاب و ماہتاب نمودار ہوئے ہیں۔ قدیم جغرافیہ نویسوں کے بیان کی رو سے خراسان اور زابلستان کے درمیان سندھ میں قیقان نامی ایک بہت بڑا علاقہ تھا، اسی نام سے شہر بھی موسوم

تھا، جو مقامی راجہ کا دار السلطنت تھا، بلاذری نے یہاں کے فتوحات کے سلسلے میں لکھا ہے۔

وَالقیقان من بلاد السند، مما یلی خراسان[1] | خراسان کی حدود سے متصل قیقان سندھ کے شہروں میں سے ہے۔

ابن خردادبہ نے المسالک والممالک میں اسے خراسان کی سمت سندھ کا پہلا شہر بتایا ہے[2]، یاقوت نے معجم البلدان میں اسے طبرستان کے قریب کا شہر لکھا ہے[3]

قیقان گیگان کا معرب ہے، موجودہ ریاست قلات اسی کے حدود میں واقع ہے قیقانی گھوڑے اور ٹٹو قدیم زمانے سے مشہور ہیں، حتیٰ کہ اب بھی ان کی یہ شہرت باقی ہے۔ اور جدید تحقیقات کی رو سے گیگان یا کیکانان وہ ملک ہے جسے رائے خاندان کے زمانہ میں مشہور سیاح ہوان سانگ نے کی کیانگ نانا کے نام سے ذکر کیا ہے، ملک کیکانان لونشکی کے قریب قصدار (قزدار) اور قندابیل (گنڈاوا) کے درمیان کا علاقہ تھا اس مقام پر رائے خاندان کی مملکت کی سرحد کا ذکر ہے جس سے مراد سرحد کیکانان ہے موجودہ ریاست قلات بلکہ سراوان اور جھالاوان کی ریاستیں بھی رائے خاندان کی مملکت میں شامل تھیں[4]

فتوحات اور سبایا وغنائم

قیقان کا علاقہ نہایت دشوار گذار اور پہاڑی تھا یہاں کے باشندے بڑے بہادر اور جنگ جو تھے باہر کے حملہ آوروں کے لئے یہ علاقہ بڑا خطرناک اور مشکلات سے پُر تھا، اس کا ایک حصہ (قندابیل) جو حدود سندھ میں تھا، عہد فاروقی میں فتح کر لیا گیا تھا، اور اس زمانہ سے، کی مسلمانوں کے تصرف میں رہا۔ البتہ قیقان کا جو علاقہ طبرستان وخراسان سے متصل تھا وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، اس کے بعد کئی سخت معرکے ہوئے جن میں مسلمانوں

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۱ [2] المسالک والممالک ص ۲۶ [3] معجم البلدان ج ۷، ص ۱۹۷ [4] حاشیہ فتحنامہ سندھ ترجمہ چچ نامہ ص ۳۸۴ ۔ از محترم ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب۔

کو جان و مال کا نقصان عظیم برداشت کرنا پڑا، لیکن آخر کار مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور پورا قیقان ان کے قبضہ میں آگیا، ان جنگوں کی مختصر سرگذشت ذیل کی سطوں میں بیان کی جارہی ہے۔

پہلا اسلامی حملہ قیقان کے علاقہ پر پہلا اسلامی حملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، خلیفہ ابن خیاط نے اس جنگ کا سنہ ۳۶ھ قرار دیا ہے لیکن بلاذری کے نزدیک یہ معرکہ ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں اس طرح پیش آیا کہ حارث بن مرہ عبدیؓ نے مسلمانوں کو غزوہ ہند کی دعوت دی اور فدائیوں کی فوج لیکر مکران کے آگے بلاد قندابیل تک پہونچ گئے، خلیفہ بن خیاط کا بیان ہے۔

وو غل فی جبال القیقان فاصاب سبایا کثیرۃ۔	انھوں نے قیقان کے پہاڑی علاقوں میں گھس کر بہت سے جنگی قیدی حاصل کئے۔

دوسری جگہ ہے کہ حارث بن مرہ عبدیؓ نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں فوج جمع کر کے بلاد مکران میں جہاد کیا اور کامیابی کے بعد مال غنیمت پایا، مگر مقامی باشندوں نے ان کے مقابلہ کے لئے زبردست فوج اکٹھا کی، اور شدید جنگ ہوئی جس میں حضرت حارثؓ بن مرہ اور اسلامی فوج کا بیشتر حصہ شہید ہوگیا[1]

اور بلاذری کی روایت ہے کہ ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں حارث بن مرہ عبدیؓ نے حضرت علیؓ کی اجازت سے اس طرف توجہ کی اور رضا کارانہ فوج لیکر حملہ کیا۔

فظفر واصاب مغنما وسبیا وقسم فی یوم واحد الف راس[2]۔	جس میں انھوں نے فتح یابی کے بعد مال غنیمت اور قیدی حاصل کئے اور ایک دن میں ایک ہزار قیدی تقسیم کئے۔

اس کے بعد ۴۳ھ میں حارث بن مرہؓ اور انکے چند رفیقوں کے علاوہ تمام ساتھی شہید ہوگئے[2]۔

---

[1] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۲۹۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

اس حادثہ کے بعد کچھ عرصہ تک مسلمانوں کی طرف سے خاموشی رہی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں قیقان پر دوسرا حملہ ۴۲ھ میں ہوا، اور قبیلہ ازد کے مشہور بہادر حضرت راشد بن عمرؓ جدیدی عبدیؒ نے اسلامی فوج

دوسرا حملہ

لیکر مکران کی فتوحات کے سلسلہ میں قیقان کو فتح کیا اور گذشتہ شکست اور نقصان کا بدلہ لینے میں شدید اقدامات کئے، بلاذری نے لکھا ہے:

ثم غزا القیقان فظفر فشن الغارات [۱] — انھوں نے فتح مکران کے بعد قیقان میں جہاد کر کے کامیابی حاصل کی اور پے در پے حملے کئے۔

یعقوبی نے بھی راشد بن عمرؓ کی فتوحات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

فغزا القیقان فظفر وغنم [۲] — انھوں نے قیقان میں جنگ کر کے کامیابی اور مال غنیمت حاصل کیا۔

اس مہم میں حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ شریک تھے، جب امیر لشکر راشد بن عمر جدیدیؒ جنگ کے دوران ایک غزوہ میں شہید ہو گئے، تو حضرت سنان بن سلمہ رضؓ ہذلی نے اسلامی فوج کی امارت سنبھالی۔

تیسرا حملہ

تیسری بار حضرت معاویہؓ کے دور میں ۴۵ھ میں حضرت عبداللہ بن سوار عبدیؒ نے قیقان میں جنگ کر کے مال غنیمت حاصل کیا، خلیفہ بن خیاط کا بیان ہے:

فافتتح القیقان واصاب غنائم [۳] — انھوں نے قیقان فتح کیا اور اموال غنیمت پائے۔

بلاذری نے لکھا ہے:

---

[۱] فتوح البلدان ص ۴۲۲، [۲] تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۱۵۸،
[۳] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۴۱،

فغزا القیقان فاصاب مغنما۔[1] ابن سوار نے قیقان میں غزوہ کر کے غنیمت پائی۔

اور قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر والتحف میں تصریح کی ہے کہ:

وانہ غزا بلاد القیقان فاصاب منہ غنائم[2] ابن سوار نے بلاد قیقان میں جہاد کر کے ان سے غنائم حاصل کئے۔

حضرت عبداللہ بن سوارؒ نے قیقان کی فتوحات کے بعد امن وامان قائم کیا وہاں کے راجہ نے اطاعت قبول کی اور ان کی خدمت میں جزیہ اور فدیہ پیش کیا، سندھ کے عمدہ اور بیش بہا تحائف بھیجے، اس کے بعد عبداللہ بن سوارؒ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں شام واپس چلے گئے، اور قیقان میں مشہور بزرگ حضرت کرز بن ابوکرز وبرہ حارثی عبدیؒ ان کے جانشین بنے، خلیفہ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سوارؒ نے حضرت معاویہؓ کو قیقانی گھوڑے پیش کئے، عرب میں براذین قیقانیہ انہی گھوڑوں کی نسل سے ہیں۔

چوتھا حملہ قیقان پر چوتھی بار ۴۷ھ میں حملہ ہوا، صورت یہ ہوئی کہ عبداللہ بن سوارؒ ان دنوں حضرت معاویہؓ کے پاس شام میں مقیم تھے، قیقان والوں نے بدعہدی کر کے بغاوت کی راہ اختیار کی، اور مسلمانوں سے مقابلہ کیلئے زبردست فوجی طاقت جمع کر لی، اس لئے حضرت معاویہؓ نے عبداللہ ابن سوار کو دوبارہ یہاں کی امارت پر روانہ کیا، وہ چار ہزار فوج لیکر مکران آئے، اور کچھ دنوں وہاں قیام کر کے قیقان کا رخ کیا، مقامی باشندوں سے زبردست جنگ ہوئی، اس بار بھی اسلامی فوج کا بہت نقصان ہوا، امیر لشکر حضرت عبداللہ بن سوار اور فوج کا اکثر حصہ میدان جنگ میں کام آگیا، جو لوگ بچ گئے وہ مکران چلے گئے۔[3]

۱؎ فتوح البلدان ص ۴۳۱ ۲؎ کتاب الذخائر والتحف ص ۱۶۷

۳؎ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۷۸

پانچواں حملہ ۵۰ھ میں قیقان پر پانچواں حملہ ہوا، جس کی سرگذشت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سوار اور اسلامی فوج کی بڑی تعداد کی شہادت پر حضرت معاویہ رضؓ کو بہت رنج ہوا، اور انھوں نے غور و فکر کے بعد حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضؓ کو یہاں کا مستقل امیر مقرر کیا، جنھوں نے مکران و قصدار اور قیقان وغیرہ کو پھر سے فتح کیا، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ دوسرے حملہ کے وقت حضرت سنان بن سلمہ رضؓ یہاں موجود تھے، اور راشد بن عمر جدیدی عبدی کی شہادت پر وقتی امیر بنائے گئے تھے، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ راشد بن عمر (عبداللہ بن سوار) کی شہادت کے بعد ۵۰ھ میں امیر عراق نے حضرت سنان بن سلمہ رضؓ کو حدود ہند کی ولایت پر مقرر کیا انکی فوج میں حضرت ابوالیمان نبال معلی بن راشد ہذلی بصری بھی تھے، جو عبادت و ریاضت میں مشہور تھے، انکا بیان ہے کہ ہم نے سنان بن سلمہ کے ساتھ قیقان میں جہاد کیا ہمارے سامنے دشمن کی بہت بڑی فوج تھی،

سنان بن سلمہ نے اسلامی فوج کو مخاطب کر کے کہا: "ابشروا، فانتم بین خصلتین الجنة والغنیمة" تم لوگوں کو بشارت ہو کہ تم دو کامرانیوں یعنی جنّت اور غنیمت کے درمیان ہو۔

اس کے بعد انھوں نے سات پتھر لیکر کہا کہ جب دیکھو کہ میں نے حملہ کر دیا تو تم بھی حملہ کر دینا یہ کہکر وہ کچھ دیر رکے رہے، جب آفتاب نصف النہار پر ہوا تو ایک پتھر سامنے پھینکا اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کہا پھر اسی طرح ایک ایک پتھر پھینکتے رہے یہاں تک کہ صرف ساتواں پتھر رہ گیا، آخر کار سورج ڈھلنے کے بعد اسے بھی پھینکا اور حمٓ لا ینصرون کہکر نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر حملہ کیا ان کے ساتھ ہم نے بھی حملہ کر دیا اور دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے، ہم نے چار فرسخ تک تعاقب کرتے ہوئے ان سے جنگ کی، یہاں تک کہ ہم دشمن کی ایک جماعت کے پاس پہنچے جو ایک قلعہ میں پناہ گزیں تھی، انھوں نے ہم کو دیکھتے ہی کہا کہ خدا کی قسم آپ لوگوں نے ہم سے جنگ نہیں کی ہے بلکہ ایسے لوگوں نے ہمیں مغلوب کیا ہے جنھیں ہم اس وقت آپ لوگوں کے ساتھ نہیں دیکھ رہے ہیں وہ لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے، ان کے سروں پر عمامے تھے یہ سنکر ہم نے ان سے کہا:

ذٰلک نصر من اللہ ؕ — یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری مدد تھی،

واپس ہونے پر پتہ چلا کہ ہم میں سے صرف ایک سپاہی شہید ہوا ہے، ہم نے سنان بن سلمہ رضؓ سے پوچھا کہ سورج کے ڈھلنے تک آپ حملہ کرنے سے کیوں رکے رہے، انھوں نے جواب دیا کہ

کذٰلک یصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

الغرض سرزمین قیقان چار مرتبہ مجاہدین اسلام کا مشہد بننے کے بعد پانچویں مرتبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئی، اب کے مرتبہ حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ جیسے دیندار اور خدا پرست صحابی کی امارت اور حضرت ابو الیمان نبال ہدی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عابد و زاہد کی شرکت اور ملائکۃ الرحمٰن کی نصرت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی سے نوازا اور قیقان کا وسیع علاقہ اسلامی مملکت میں شامل ہوا،

مقسم قیقانی کوفی

امام ابن عُلَیّہ وغیرہ کے دادا مقسم اسی قیقان کے باشندے تھے وہ ان ہی غزوات میں سے کسی غزوہ میں گرفتار کر کے جنگی قیدی کی حیثیت سے عرب لائے گئے، اس کی تصریح سب سے پہلے ابن عُلَیّہ کا زمانہ پانے والے مورخ و عالم ابن سعد نے طبقات میں ان الفاظ میں کی ہے:

اسمٰعیل بن ابراھیم بن مقسم مولیٰ عبدالرحمٰن بن قطبۃ الاسدی اسد خزیمۃ وکان مقسم من سبی القیقانیۃ مابین خراسان وزابلستان[2] — اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم مولیٰ عبدالرحمٰن ابن قطبہ اسدی کے دادا مقسم قیقان کے قیدی تھے، جو خراسان اور زابلستان کے درمیان واقع ہے۔

خطیب نے بھی تاریخ بغداد میں ابن سعد کی روایت سے یہی الفاظ نقل کئے ہیں[3]، اور بعد

---

[1] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۵۰، [2] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲۵، [3] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۰،

کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں میں امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ابن سعد ہی کے حوالہ سے بھی درج کیا، البتہ اس میں وکان مقسم جدہ ہے، یعنی جدہ کا اضافہ یا تصریح ہے[1]

مقسم کس جنگ میں گرفتار ہو کر کب کوفہ آئے اور قبیلہ اسد بن خزیمہ کے غلام ہوئے، ان باتوں کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے البتہ یہ یقین ہے کہ ۳۶ھ سے ۵۰ھ تک کی پانچ جنگوں میں کسی میں گرفتار ہو کر کوفہ لائے گئے، پندرہ سولہ سال کی مدت میں پانچ مرتبہ معرکہ کارزار گرم ہوا، ہر جنگ میں مسلمانوں کو بہت سے قیدی اور غلام ہاتھ لگے، ہمارا خیال ہے کہ پہلی جنگ میں مقسم گرفتار ہوئے تھے جو مال غنیمت اور جنگی قیدیوں کے حصول کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب تھی، بلاذری کا یہ بیان پہلے گذر چکا ہے کہ:

فظفر واصاب مغنما وسبیا	حارث بن مرہ عبدی نے فتح کے بعد مال غنیمت
وقسم فی یوم واحد الف راس[2]	اور قیدی حاصل کئے اور ایک دن میں ایک
. .	ہزار قیدیوں کو اسلامی فوج میں تقسیم کیا،

خلیفہ بن خیاط نے بھی انکی کامیابی کے بارے میں لکھا ہے۔

وغل فی جبال القیقان ناصاب	قیقان کے پہاڑوں میں گھس گئے اور بہت
سبایا کثیرۃ[3]	سے جنگی قیدی پائے۔

اگر مقسم ۳۶ھ یا ۳۸ھ کی جنگ قیقان میں گرفتار ہو کر کوفہ لائے گئے تو اس وقت کوفہ کی آبادی پر بیس بائیس سال سے زائد مدت گذر چکی تھی، اور وہاں عربوں کے مشہور قبائل مستقل طور سے سکونت پذیر ہو چکے تھے، جن میں قبیلہ اسد بن خزیمہ بن مدر کو وہاں کی شہری اور تمدنی زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل تھی، اور اسکی بنائی ہوئی مسجدیں، مکانات اور دکانیں اسکے جاہ وجلال، شان وشوکت اور دولت وثروت کو ظاہر کرتی تھیں، چنانچہ

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۱ ، [2] فتوح البلدان ص ۴۲۱ ، [3] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۴۴

اس قبیلہ کے ایک فرد سماک بن مخرمہ اسدی کی مسجد سماک کوفہ کی نہایت پُرشکوہ اور پائیدار مسجد شمار کی جاتی تھی، مشہور شاعر اخطل نے اس کے بارے میں کہا ہے:

ان سماکا بنی مسجداً لا سرقہ حتی الممات وفعل الخیر یبتدر
قد کنت احسبہ قینا واخبرہ فالیوم طیر عن اثوابہ الشرر [1]

اسی طرح بنو اسد کی ایک شاخ بنو جذیمہ تھی، جس کے نام سے کوفہ میں مسجد بنی جذیمہ تھی، وہ بڑی اور لمبی چوڑی تھی، اس میں صرافوں کی کئی دکانیں تھیں۔[2]

کوفہ کے ان ہی بنو اسد بن جزیمہ کے خاندان میں عبد الرحمن بن قطبہ اسدی اپنے زمانہ کے نامور سردار تھے، مقسم ان ہی کی ولاء و ملکیت میں آئے، عرب میں اسد بن ربیعہ بن نزار بھی مشہور قبیلہ تھا اس لئے دونوں بنو اسد میں فرق کے لئے "اسدی اسد خزیمہ" کی تصریح کر دی جاتی ہے،

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقسم نے غلامی کے دور میں کوفہ میں تجارت کر کے اس کی آمدنی سے اپنے کو آزاد کرالیا تھا، وہ بزاز یعنی کپڑے کے تاجر تھے، بعد میں ان کے لڑکے ابراہیم نے بھی کوفہ میں بزازی کا پیشہ اختیار کیا، اور اس میں اتنی ترقی کی کہ کوفہ اور بصرہ میں ان کی تجارت کا سلسلہ جاری ہو گیا، اس زمانہ میں کوفہ اور بصرہ کے غلام عام طور سے تجارت کر کے بڑی بڑی رقمیں جمع کرتے تھے، اور اپنے آقاؤں سے مکاتبت پر آزادی حاصل کرنے میں ان سے کام لیتے تھے، محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المحبر میں تسمیۃ اشراف مکاتبی البصرۃ والکوفۃ کے باب میں ایسے بہت سے غلاموں کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے تجارت کر کے تیس ہزار، چالیس ہزار، ستر ہزار اور ایک لاکھ درہم پر اپنے آقاؤں سے آزادی حاصل کی تھی،[3]

ابراہیم بن مقسم کوفی

مقسم کے بیٹے ابراہیم، اشراف ممالیک میں سے تھے، انھوں نے اپنے

[1] فتوح البلدان ص ۲۸۲، [2] ایضاً ص ۲۸۴، [3] کتاب المحبر ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۷،

والد کے کام کو آگے بڑھا کر کپڑے کی تجارت کو ترقی دی، اور کوفہ و بصرہ میں اس کو فروغ دیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے:

وکان ابراھیم بن مقسم تاجراً من اھل الکوفۃ، وکان یقدم البصرۃ بتجارتہ فیبیع ویرجع[1]	ابراہیم بن مقسم اہل کوفہ کے تاجر تھے، اور اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں بصرہ آتے تھے، پھر فروخت کرکے واپس جاتے تھے،

ابراہیم بزاز تھے یعنی کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اس کا پتہ امام ابو داؤد کے اس قول سے چلتا ہے جو انھوں نے ابن عُلیّہ کے بارے میں کہا ہے:

وھو رجل من اھل الکوفۃ بزاز، ھو مولی بنی اسد[2]	وہ کوفہ کے بزاز یعنی پارچہ فروش تھے، وہ بنی اسد کے آزاد شدہ غلام تھے،

ابراہیم بڑے مالدار اور خوش حال تھے، بسلسلۂ تجارت بصرہ آتے جاتے تھے، بعض اوقات وہاں قیام طویل ہو جاتا تھا، اس لئے وہیں عُلیّہ بنت حسان نامی ایک عورت سے نکاح کرلیا، جو بنو شیبان کی مولاۃ یعنی آزاد شدہ باندی تھی، یہ عورت باندی ہونے کے باوجود بڑی دیندار اور صاحب فضل و کمال تھی، دنیاوی اعتبار سے بھی اسے خاص وجاہت حاصل تھی، بصرہ کے علاقہ عوقہ میں اس کا شاندار مکان تھا، جو اسی کے نام سے مشہور تھا، بصرہ کے علماء و فقہاء اور عباد و زہاد میں سے حضرت صالح مری وغیرہ علیہ بنت حسان کے یہاں علمی و دینی استفادہ کیلئے حاضر ہوتے اور وہ باہر نکل کر ان حضرات سے مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو اور سوال و جواب کرتی تھی[3] علیہ جیسی ذی علم اور صاحب فضل و کمال عورت سے شادی معمولی آدمی کے امکان میں نہ تھی، معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بڑی تجارت کے ساتھ علم و فضل میں بھی مشہور تھے اور لوگوں میں انھیں بڑی مقبولیت حاصل تھی،

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۱، [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۱، [3] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۲۲۵

عُلیہ بنت حسان مولاۃ بنی شیبان (بنی شیبان کی آزاد کردہ باندی) تھی، جیساکہ ابن سعد اور خطیب وغیرہ نے تصریح کی ہے، لیکن اس کے برخلاف صاحب خلاصہ تذہیب الکمال نے علیہ بنت حسان کو بھی مولاۃ بنی اسد بن خزیمہ بتایا ہے[1]، جو بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا، شاید ابراہیم کی نسبت سے اسے بھی اسدی لکھدیا ہو، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم بن مقسم اور علیہ بنت حسان کی شادی میں بڑی خیر و برکت عطا فرمائی کہ ان سے تین لڑکے اسمٰعیل اور ربعی پیدا ہوئے اور تینوں نے زمانہ کے مطابق علم دین حاصل کیا، اور یہ سب کے سب ابن علیہ کی کنیت سے مشہور تھے ان میں اسمعیل سید المحدثین اور ریحانۃ الفقہا ہوئے، اور ان کی نسل میں علم دین صدیوں تک جاری رہا۔

امام اسمٰعیل بن ابراہیم المعروف بہ ابن عُلیہ بصری رح

ابو بشر اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم بصری، علیہ بنت حسان کے بطن سے بصرہ میں پیدا ہوئے، ابن سعد اور خطیب وغیرہ نے ان کی پیدائش ۱۱۰ھ میں بتائی ہے لیکن ابن ندیم نے ۱۱۶ھ لکھا ہے[2] جیساکہ معلوم ہوا وہ اور ان کا خاندان اسد بن خزیمہ کے موالی میں شمار ہوتے ہیں، اس نسبت سے وہ اسدی مولیٰ بنی اسد اور مولیٰ عبدالرحمٰن بن قطبہ اسدی کہلاتے ہیں، لیکن تذہیب الکمال میں اسدی کے بعد قرشی بھی درج ہے[3]، شاید یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اسد بن خزیمہ کو اسد بن عبدالعزیٰ سمجھے اور اس بنا پر ان کو قرشی قرار دیا، ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں بنو اسد ابن عبدالعزیٰ کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے ابن علیہ یا ان کے باپ دادا کے بارے میں اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ خلاصہ تذہیب الکمال کے علاوہ کسی کتاب میں ابن علیہ کا اسدی قرشی ہونا مذکور نہیں ہے، اسماعیل کی والدہ علیہ کے بارہ میں خطیب نے علی بن حجر کا رجحان بتایا ہے کہ وہ اسمعیل کی نانی تھیں[4] مگر تمام تذکرہ نویسوں نے

---

[1] خلاصہ تذہیب الکمال ص ۲۷، [2] الفہرست ص ۳۱۷ [3] خلاصہ تذہیب الکمال ص ۲۷

[4] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۱،

علیہ کو ان کی ماں لکھا ہے، وہ بصرہ کی مشہور صاحب علم خاتون تھیں، ان کا مکان علماء و مشائخ کا مرجع تھا، اسلئے اسمٰعیل باپ ابراہیم کے بجائے ماں کی طرف منسوب ہوگئے، ابراہیم بن مقسم تجارتی کاروبار میں مصروف رہا کرتے تھے، اس لئے تعلیم و تربیت کا انتظام ماں ہی کو کرنا پڑا، اسمٰعیل ماں کے بجائے باپ کی طرف نسبت پسند نہیں کرتے تھے، یہانتک کہ کہتے تھے کہ:

من قال ابن علية فقد اغتابني — جس نے مجھے ابن علیہ کہا اس نے میری غیبت کی

مگر یہ نسبت زبانوں پر ایسی چڑھ گئی کہ لوگ ابن ابراہیم کے بجائے ابن علیہ ہی کہتے رہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم تھا کہ ان کے استاد اس کنیت کو پسند نہیں کرتے ہیں مگر وہ اسی سے مشہور ہیں، اس لئے غایت احترام کو ملحوظ رکھکر ان کی روایت یوں بیان کرتے تھے،

حدثنا اسمعیل الذی یقال له ابن عُلیَّة — ہم سے یہ حدیث اسمٰعیل نے بیان کی جنکو ابن علیہ کہا جاتا ہے۔[1]

امام سخاوی اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ تم ہمارے امام شافعیؒ کی احتیاط کو دیکھو کہ وہ اس طرح کہتے تھے حالانکہ مشہور نام و کنیت بیان کرنے کی اجازت ہے۔

ابن علیہ بصرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی لیکن ان کے باپ دادا کوفہ میں مقیم تھے، اس لئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کا ذکر بھی ان کے نام کے ساتھ ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ نے انھیں ظاہری حسن و جمال سے بھی نوازا تھا، وہ بصرہ کے خوبصورت ترین لڑکے سمجھے جاتے تھے،[2]

تعلیم و تربیت

ابن علیہ کے والد ابراہیم بن مقسم کی دولت و ثروت کا ذکر ہو چکا ہے، کوفہ سے بصرہ تک ان کی تجارت کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا، ماں کے علم و فضل کا بھی شہرہ تھا، اور بصرہ کے علماء و مشائخ اور محدثین و فقہا ان کے فضل و کمال کے معترف تھے، اس لئے انھیں اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں،

---

[1] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۴۴، [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۱ -

امام ابن علیہ نے سنہ ۱۱۰ھ میں بصرہ میں آنکھ کھولی، اس زمانہ میں پورا عالمِ اسلام علمی اور دینی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، اموی خلافت کا عروج تھا، اسلامی فتوحات کا سیلِ رواں مشرق سے مغرب تک موجیں مار رہا تھا، فقہاء و محدثین علومِ اسلامیہ کی تعلیم اور تدوین میں مصروف تھے، بصرہ علم کا بڑا مرکز تھا، اس کے ہر گلی کوچہ میں درس و تدریس کی مجلسیں آراستہ تھیں، اگرچہ اس وقت امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین بصری وغیرہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، مگر ان کے حلقہ نشین اور تربیت یافتہ شیوخ موجود تھے، خود عُلَیّہ کا گھر اہل علم و فضل کا مرجع تھا، چونکہ وہ آزاد کردہ باندی تھیں اس لئے کھل کر اہل علم سے ملتی جلتی تھیں اور علمی و دینی مسائل پر گفتگو کرتی تھیں، اپنے بچے کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لیے ان کی نگاہ انتخاب امام عبدالوارث بن سعید بصری متوفی سنہ ۱۸۰ھ پر پڑی جو خود بھی قبیلۂ بنو تمیم کی شاخ بنو عنبر کے آزاد کردہ غلام تھے، نہایت ثقہ اور حدیث میں حجت کا درجہ رکھتے تھے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ غلام الطرفین بچہ کے پہلے استاد و مربی بھی غلام تھے، علیہ اپنے بیٹے کو ان کی خدمت میں لے گئیں، عبدالوارث کا بیان ہے:

أتتني علية بابنها فقالت هذا ابني يكون معك ويأخذ باخلاقك
قال: وكان من اجمل غلام بالبصرة،
قال: فكنت اذا مررت بقوم جلوس
قلت له: تقدم فكنت اجيئ بعده
الى المحدث،
. . .
. . .

علیہ اپنے بیٹے کو لیکر میرے پاس آئی اور کہا کہ یہ میرا بیٹا آپ کے ساتھ رہے گا اور آپ سے آداب و اخلاق کی تعلیم حاصل کرے گا، یہ لڑکا بصرہ کے لڑکوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا، جب میں محدثین کی کسی جماعت کے یہاں جاتا تھا تو اس سے کہتا تھا کہ پہلے تم آگے بڑھو اس کے بعد حلقۂ درس کے شیخ کے یہاں جاتا تھا۔

امام عبدالوارث نے اپنے عزیز شاگرد کی تعلیم و تربیت کی جانب ایسی توجہ کی کہ شاگرد کو

اپنے سے اونچا کر دیا امام ابراہیم حربی کا بیان ہے:

فخرج ابن علیۃ و اھل البصرۃ لا یشکون انہ اثبت من عبدالوارث[1]۔

ابن علیہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو اہل بصرہ اس میں شک نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنے شیخ عبدالوارث سے زیادہ مستند ہیں۔

اساتذہ و شیوخ

ابن علیہ تحصیل علم کے لئے بصرہ سے باہر نہیں گئے، اپنے وطن ہی کے شیوخ و محدثین سے تعلیم حاصل کی، تذکرہ نگار دل نے ان کے اساتذہ و شیوخ میں حسب ذیل اصحاب کا نام لیا ہے،

(۱) ابو عبیدہ عبدالوارث بن سعید بصری مولیٰ بنی عنبر متوفی محرم ۱۸۰ھ بعہد خلیفہ ہارون رشید (۲) ابو التیاح یزید بن حمید ضبعی، ان سے ایک حدیث کا سماع کیا ہے۔ یہ بصرہ کے نامور فقیہ تھے، ۱۲۸ھ میں انتقال ہوا، (۳) عبدالعزیز بن صہیب سے بہت زیادہ احادیث کی روایت کی ہے۔ وہ اور ان کے والدین حضرت انس بن ملک رضؓ کے غلام تھے ان کی ثقاہت و بزرگی کا یہ حال تھا کہ قاضی ایاس بن معاویہ نے ان کی تنہا شہادت کو کافی قرار دیا ہے (۴) ابو عون عبداللہ بن عون بصری، انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی، نہایت ثقہ، کثیر الحدیث اور متقی محدث تھے، رجب ۱۵۱ھ میں وفات پائی (۵) ابو بکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسان، سختیانی، بصری، بنو عنزہ کے آزاد کردہ غلام تھے، حدیث میں ثقہ ثبت، جامع اور عدل ہونے کے ساتھ نہایت پاک باز، متقی اور کثیر العلم تھے، ۶۲ سال کی عمر میں ۱۳۱ھ میں انتقال کیا (۶) ابو معتمر سلیمان بن طرخان تیمی بصری قبیلہ بنی تیم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تیمی مشہور ہوئے، نہایت ثقہ کثیر الحدیث اور عبادت و ریاضت میں بہت بڑھے ہوئے تھے، بصرہ میں ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے،

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۶ ص ۲۳۱ و میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۰۱ ۔

(۷) ابو بکر داؤد بن ابی ہند دینار بصری بنو قشیر کی شاخ آل الاعلم کے مولیٰ اور کثیر الحدیث ثقہ محدث تھے، ۱۳۹ھ میں انتقال کیا، (۸) ابو عبیدہ حمید بن ابی حمید طرخان الطویل، کثیر الحدیث محدث تھے، ۱۴۲ھ میں فوت ہوئے، (۹) ابو یسار عبداللہ بن ابی نجیح یسار مکی مولیٰ اخنس بن شریق، کثیر الحدیث اور صالح الحدیث تھے، ان پر بعض لوگوں نے قدری ہونے کا الزام لگایا ہے، لیکن درست نہیں ہے، ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے (۱۰) ابو یزید سہیل بن ابی صالح ذکوان السمان مدنی حدیث ثقہ وثبت اور اہل مدینہ کے شیوخ حدیث میں حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ ۱۳۸ھ میں انتقال کیا، بعض کتابوں میں سہل بن ابی صالح ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (۱۱) لیث بن ابی سلیم کوفی مشہور فقہا میں سے تھے، اپنے شہر میں مناسک کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے، دار قطنی نے ان کو صاحب سنت کہا ہے، ۱۴۳ھ میں انتقال کیا، (۱۲) ابو مسعود سعید بن ایاس جریری بصری اور اہل بصرہ کے مسلم محدث ہیں، ابن علیہ نے ان سے سب سے زیادہ روایت کی ہے، ۱۴۴ھ میں فوت ہوئے (۱۳) ابو الحسن علی بن زید بن جدعان بصری قرشی تیمی پیدائشی نابینا ہونے کے باوجود کثیر الحدیث تھے، محدثین نے ان کو ضعیف بتایا ہے، ۱۲۹ھ یا ۱۳۱ھ میں انتقال کیا (۱۴) ابو عبداللہ محمد بن منکدر تیمی مشہور عالم ہیں، علم وفضل کے ساتھ معدن صدق اور صدر نشین صلحا سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے مناقب و فضائل بہت ہیں، چھہتر ۷۶ سال کی عمر میں ۱۳۱ھ میں انتقال فرمایا (۱۵) ابو السائب عطاء بن سائب ثقفی کوفی نے حضرت انس بن مالکؓ اور اکابر تابعین سے روایت کی ہے، ۱۳۷ھ یا ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے، (۱۶) ابو عبید یونس بن عبید بصری، قبیلہ عبد القیس کے آزاد کردہ غلام ہیں، حضرت انسؓ کی زیارت کی ہے، اور حضرات تابعین سے روایت کی ہے، ۱۴۰ھ میں انتقال کیا (۱۷) ابو عبد الرحمٰن عاصم بن سلیمان الاحول بصری، بنو تمیم کے غلام ہیں، کثیر الحدیث اور ثقہ عالم ہیں، خلیفہ منصور کے زمانہ میں مدائن کے قاضی رہ چکے ہیں، ۱۴۱ھ یا ۱۴۱ھ میں

فوت ہوئے (۱۸) ابوعروہ معمر بن راشد بصری قبیلہ ازد کے غلام تھے، بصرہ سے یمن چلے گئے تھے، امام عبدالرزاق صنعانی کے مخصوص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، ۱۶۵ھ میں انتقال کیا، (۱۹) ابوسہل عوف بن ابی جمیلہ اعرابی بصری قبیلہ طے کے غلام تھے، کثیرالحدیث اور ثقہ عالم تھے، امام حسن بصری کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، ۱۴۶ھ میں فوت ہوئے (۲۰) یحییٰ بن سعید تیمی کوفی نے امام شعبی وغیرہ سے روایت کی ہے، حدیث میں ثقہ وامام اور صاحب سنت تھے، ۱۴۵ھ میں فوت ہوئے، (۲۱) ابوغیاث روح بن قاسم تیمی عنبری بصری نہایت مستند حافظ حدیث تھے، احادیث کی تلاش وحفظ میں مشہور تھے، ۱۴۱ھ میں انتقال کیا (۲۲) ابوریحانہ بصری کا نام عبداللہ بن مطر ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی ہے ان شیوخ واساتذہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ حدیث سے ابن علیہ نے روایت کی ہے۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے ان چند ناموں کے بعد "عن خلق" اور "خلق کثیر" لکھا ہے[1]۔

طالب علمی اور جوانی ابن علیہ اپنی جوانی کے زمانہ ہی میں بصرہ کے عباد اور زہاد میں شمار ہونے لگے تھے[2]۔

وہ اپنی ذہانت، حافظہ اور رسوخ فی العلم کی وجہ سے زمانۂ طالب علمی ہی میں مرجع انام بن گئے تھے، حاتم بن وردان کا بیان ہے کہ یحییٰ، اسمٰعیل، وہیب اور عبدالوارث امام ایوب سختیانی کی مجلس درس میں جاتے تھے، اور وہاں سے اٹھنے کے بعد یہ سب اسمٰعیل ابن علیہ کے گرد بیٹھکر ان سے پوچھتے تھے کہ ایوب سختیانی نے فلاں فلاں حدیثیں کیسے بیان

---

[1] یہ نام تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۹، تاریخ کبیر ج ۱ ص ۲، ۳۴۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۲ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۵ میزان الاعتدال ج ۱ ص خلاصۃ تذہیب الکمال ص ۲۷ سے اور ان کے مختصر حالات کتاب المعارف ابن قتیبہ، کتاب العبر، تہذیب التہذیب، و تاریخ بغداد وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۸۔

کی ہیں، اور ابن علیہ سب کے جواب دیتے تھے۔[1]

دینی علوم میں جامعیت

امام ابن علیہ اسلامی علوم کے جامع تھے، خاص طور سے حدیث، لغت حدیث، جرح وتعدیل، اور فقہ میں ان کا مقام بہت بلند تھا، امام شعبہ نے ان کو سید المحدثین اور ریحانۃ الفقہا کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ایک مرتبہ اہل بصرہ کے حفاظ حدیث جمع تھے، کوفہ والوں نے ان سے کہا کہ اسمٰعیل بن علیہ کو چھوڑ کر تم لوگ جس کو چاہو ہمارے مقابلہ میں لے آؤ، امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ مجھے امام مالکؒ کی مجلس درس نہیں ملی، تو اللہ تعالیٰ نے سفیان بن عینیہ کو دیا، اور حماد بن زید کی شاگردی نصیب نہ ہوسکی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں اسمٰعیل بن علیہ کو دیدیا، غندر کا بیان ہے کہ جس وقت میں حدیث کے حصول میں مشغول تھا، کوئی عالم حدیث میں اسمٰعیل بن علیہ سے بڑھ کر نہیں تھا، حماد بن زید کا حال یہ تھا کہ اگر کسی حدیث میں عبد الوارث ثقفی اور وہیب ان کی مخالفت کرتے تو وہ مطلق پروانہ کرتے، اور جب ابن علیہ مخالفت کرتے تو ہیبت زدہ ہوجاتے، یہی حال حماد بن سلمہ کا تھا، چنانچہ عفان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ طلبۂ حدیث حماد بن سلمہ کی خدمت میں موجود تھے، وہ کسی دوسرے کے قول کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس مجلس میں انھوں نے ایک حدیث میں غلطی کی اور کسی نے کہا کہ اس حدیث میں آپ کے خلاف کہا گیا ہے، حماد نے پوچھا کس نے اس کے خلاف کہا ہے، لوگوں نے کہا حماد بن زید، اس پر انھوں نے توجہ نہیں کی اور جب ایک آدمی مجلس سے بولا کہ ابن علیہؒ نے اس حدیث میں آپ کے خلاف بات کہی ہے تو یہ سنتے ہی حماد بن سلمہ اٹھکر اندر گئے، اور باہر آکر کہا کہ اسمٰعیل بن علیہ نے جو بات کہی ہے وہی درست ہے، قتیبہ بن سعد کا بیان ہے کہ اہل علم کہتے تھے کہ حفاظ حدیث چار ہیں، اسمٰعیل بن علیہؒ، عبد الوارث، یزید بن زریع اور وہیب،

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۲

یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ جس وقت میں بصرہ میں گیا وہاں کوئی محدث ایسا نہیں تھا جو حدیث میں ابن علیہ پر فوقیت رکھتا ہو۔

عثمان ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ ابن علیہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ دونوں سے زیادہ اثبت و معتبر ہیں میں کسی بصری عالم کو ان پر مقدم نہیں کر سکتا، نہ یحییٰ بن معین کو نہ عبدالرحمٰن ابن مہدی کو، نہ بشر بن مفضل کو،

ابن سعد نے اسمٰعیل بن علیہ کو حدیث میں ثقہ، ثبت، حجت بتایا ہے، علی بن مدینی کا قول ہے کہ میں کسی کو ابن علیہ سے زیادہ اثبت و معتبر نہیں کہتا ہوں، علی بن مدینی کے علاوہ یحییٰ ابن معین عبدالرحمٰن بن مہدی اور دیگر ائمہ جرح و تعدیل نے نہایت شاندار الفاظ میں ان کی ثقاہت و عدالت کا اعتراف کیا ہے[1]۔

خصوصیات وامتیازات

امام ابوداؤد کا بیان ہے کہ سعید بن ایاس جریری سے سب سے زیادہ روایت اسمٰعیل بن علیہ نے کی ہے،

وہیب کا بیان ہے کہ اسمٰعیل بن علیہ نے عبدالوہاب کی کتاب زبانی یاد کر لی تھی، زیاد بن ایوب نے کہا ہے کہ میں نے ابن علیہ کے پاس کبھی کتاب نہیں دیکھی، وہ زبانی احادیث کی روایت کرتے تھے، اور ایک ایک لفظ اور حرف گن گن کر روایت کرتے تھے، عبداللہ بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اسمٰعیل بن علیہ اور بشر بن مفضل کے علاوہ محدثین میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے غلطی نہ کی ہو۔ علی بن مدینی کا قول ہے کہ سب محدثین نے روایت میں غلطی کی ہے، سوائے چار کے، یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن مفضل اور عبدالوارث بن سعید، احمد بن سعید دارمی نے کہا ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث مدبر میں ایک غلطی کے علاوہ

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۶ ص ۲۳۳ - ۲۳۴، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۰ - ۱۰۱، طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۳۲۵، وغیرہ۔

ابن علیہؒ کی کوئی غلطی معلوم نہیں ہوئی، اس حدیث میں انھوں نے موٹی کے نام کی جگہ غلام کا اور غلام کی جگہ موٹی کا نام لیا ہے، امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ زید بن حباب نے مجھ سے کہا کہ ابن علیہ کے علم سے مجھے فائدہ پہنچاؤ، میں ابن علیہ کی احادیث و مرویات کی کچھ کتابیں ان کے پاس لایا، تو انھوں نے ان کی کتابوں میں سے صرف ابن عون عن محمد، خالد عن ابی قلابہ اور دوسرے علماء کے اقوال و آراء میں سے کچھ رکھ لیا، پھر خود ابن علیہ کے پاس جاکر ان کتابوں کی احادیث کے بارے میں سوال کیا، ابن علیہ اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ان سے مسند احادیث اور اسناد کے بارے میں سوال کیا جائے،

امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یزید بن ہارون نے ایک حدیث عن حماد بن زید عن ایوب عن مجاہد بیان کر کے کہا کہ علی بن مدینی نے اس کی تخریج کی ہے میں نے ان سے کہا کہ ابن علیہ نے اس حدیث کو عن ایوب عن مجاہد بیان کر کے کہا ہے کہ اس کی تخریج علی بن مدینی نے کی ہے انھوں نے سمجھا کہ میں نے ابن علیہ کے بجائے ابن عیینہ کہا ہے اس لئے کہا کہ ابن عیینہ ہمارے نزدیک ایوب سے روایت کرنے میں حماد بن زید کے مانند نہیں ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں نے تو ابن علیہ کا نام لیا ہے۔ انھوں نے تعجب سے پوچھا ابن عُلیہ؟ پھر خاموش ہوگئے[1]

زہد و تقویٰ اور وقار

امام ابن علیہ ورع و تقویٰ اور وقار و تمکنت میں بہت آگے تھے ان کے معاصرین نے ان کے ان اوصاف و کمالات کا اعتراف و اقرار کیا ہے اور اس بارے میں اپنے اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں، ابوعبداللہ احمد بن نعیم نے اپنے بعض دوستوں سے نقل کیا ہے کہ ابن علیہ بیس۲۰ سال تک نہیں ہنسے، عمرو بن زرارہ کا بیان ہے کہ میں چودہ۱۴ سال تک ابن علیہ کی صحبت میں رہا ہوں میں نے اس مدت میں ان کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، اور ستائیس۲۷ سال تک ان کو مسکراتے ہوئے نہیں

---

[1] تاریخ بغداد اور میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب وغیرہ،

دیکھا، علی بن مدینی کا بیان ہے کہ میں ابن علیہ کے یہاں رات کو رہا کرتا تھا، صدقات بصرہ کی ولایت ملنے کے بعد میں نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، حماد بن سلمہ کا قول ہے کہ ہم لوگ اسمٰعیل ابن علیہ کے اخلاق و عادات کو یونس بن عبید کے اخلاق و عادات سے تشبیہ دیتے تھے، یہانتک کہ انھوں نے بصرہ کی ولایت قبول کرلی، عفان نے کہا ہے کہ ابن علیہ جس زمانہ میں جوان تھے، بصرہ کے عباد میں شمار کئے جاتے تھے، ابن معین کا بیان ہے کہ ابن علیہ ثقہ، مامون، صدوق، مسلم اور پاکباز و متقی تھے، ابن مدینی کا بیان ہے میں ایک رات یہاں سویا تو دیکھا کہ انھوں نے نوافل میں تہائی قرآن پڑھا، میں نے کبھی ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، سلیمان بن حرب نے ایک مرتبہ کہا کہ حماد بن زید نے ایوب سختیانی سے سب سے زیادہ روایت کی ہے۔ اس پر عبدالوارث نے کہا کہ میں نے ایوب کے انتقال کے بعد ان کی مرویات واحادیث کو اپنی یادداشت سے لکھا ہے اور ایسی حدیثوں میں جو ہوتا ہے ہوا، اس کے بعد سلیمان بن حرب نے وہیب بن خالد کی تعریف و توصیف کی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ تاجر تھے، دوکان اور بازار نے ان کو علم سے باز رکھا، اور اسمٰعیل بن علیہ کا ذکر کرکے ان کی ولایت بصرہ پر اعتراض کیا، ایک دن ایک بغدادی آدمی سلیمان بن حرب کے یہاں جاکر ابن علیہ کا تذکرہ تعظیم و تکریم کے ساتھ کرنے لگا، سلیمان حرب نے کہا کہ بعض لوگ ان پر سُکر کا اتہام لگاتے ہیں، بغدادی نے کہا ابوایوب! جب میں ابن علیہ کے چہرہ کو دیکھتا ہوں تو وقار نظر آتا ہے اور انکو پیچھے سے دیکھتا ہوں تو خشوع وخشیت نظر آتی ہے، سلیمان بن حرب نے یہ سنکر کہا ایسی بات ہے تو ان کو فلاں فلاں کی مجلس سے الگ ہو جانا چاہئے، علی بن خشرم نے بھی ان کے بارہ میں نبیذ نوشی کا ذکر کیا ہے، مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے، یہ نشہ آور نبیذ نہیں پیتے تھے، بلکہ کھجور کا ایسا مشروب پیتے تھے جس میں سکر (نشہ) نہیں ہوتا تھا[1]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۵ تا ۲۳۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۶، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۶ تا ۲۷۷، خلاصہ تذہیب الکمال ص ۲۰، العبر ج ۱ ص ۳۱۰۔

حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر پانچ آدمی نہ ہوتے تو میں یہ کام نہ کرتا، پوچھنے پر بتایا کہ وہ پانچ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض، محمد بن سماک اور ابن علیہ ہیں۔ ابن مبارک خراسان جاکر کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور منافع میں سے بال بچوں اور حج کا نفقہ نکال کر باقی رقم اپنے ان ہی پانچوں بھائیوں کو دیدیا کرتے تھے،

حسب دستور ایک مرتبہ ابن مبارک بغداد آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ ابن علیہ نے عہدۂ قضا قبول کرلیا ہے، اس لئے نہ ابن علیہ کی ملاقات کو گئے اور نہ ہی ہر سال کی طرح رقم کی تھیلی بھیجی جب ابن علیہ کو انکی آمد کی خبر ملی تو ملاقات کے لئے گئے مگر ابن مبارک نے بات کرنا تو درکنار ان کی طرف دیکھا بھی نہیں، ابن علیہ اس وقت کچھ کہے سنے بغیر چلے گئے دوسرے دن خط لکھ کر اس بے اعتنائی کا سبب دریافت کیا، اسکے جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے حسب ذیل اشعار لکھے،

یَاجَاعِلَ العلم لہ بَازِیا یَصطَاد اموال المسَاکین

اے علم کو شکاری باز بناکر مسکینوں کا مال شکار کرنے والے!

احتلت للدنیا ولذاتھا بحیلۃ تذھب بالدین

تم نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے ایسا بہانہ تلاش کیا ہے جو دین کو ختم کردے گا،

وصرت مجنونا بھا بعدمَا کنت دواءً للمجانین

تم اس وقت دنیا کے دیوانے بن گئے ہو حالانکہ تم دیوانوں کے لئے علاج تھے،

ابن رِوایاتک فیمَا مضی عن ابن عون وابن سیرین

امراء و سلاطین کے دروازوں سے دور رہنے کی تمہاری وہ احادیث و روایات کہاں گئیں جنکو پہلے ابن عون، ابن سیرین سے بیان کیا کرتے تھے،

این رِوایاتک فی سردھَا فی ترک ابواب السلاطین

ان قلت: اکرھت فما کان ذا — زال حمار العلم فی الطین

اگر تم کہو کہ مجھے مجبور کیا گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے، علم کا گدھا کیچڑ میں پھسلکر پھنس گیا،

اللہ اکبر اس وقت سلاطین و امراء سے نفور اور سرکاری عہدوں سے اجتناب کا کیا عالم تھا، آج ہم طلاب دنیا اور حریصان منصب وجاہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں، لیکن وہ مردان حق حکمرانوں کے سایہ سے بھی گریزاں تھے، انھوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر علم کی آبرو رکھی، اور دین کو حکومت کے مصالح پر قربان ہونے سے بچایا،

ابن علیہ زار و قطار رونے لگے اور فوراً مجلس قضا سے اٹھ کر خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں پہنچے اور کہا کہ امیر المومنین! خدا کے لئے میرے بڑھاپے پر رحم کیجئے، میں اپنی غلطی کو اب برداشت نہیں کر سکتا، ہارون رشید نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا نام لیکر کہا کہ شاید انھوں نے آپ کو بھڑکایا ہے، ابن علیہ نے کہا خدا کے لئے مجھے نجات دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو نجات دے، ان کے شدید اصرار پر ہارون رشید نے استعفا منظور کر لیا جب ابن مبارک کو یہ معلوم ہوا تو خوش ہو کر ابن علیہ کے پاس حسب معمول ان کی تھیلی بھیج دی،

ایک روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ قضاء بغداد کے وقت کا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بصرہ کی ولایت صدقات سے ہے حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو صحیح بتایا ہے، اور قرینہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ابن علیہ قیام بصرہ کے زمانہ میں حاجت مند تھے، اس لئے ابن مبارک انکی مالی امداد کرتے تھے، آخر عمر میں بغداد آئے اور خلافت کی طرف سے ان کا اعزاز ہوا انھوں نے یہاں ذاتی گھر بنایا نیز ابن مبارک کے اشعار میں "اموال المساکین" کے الفاظ سے بھی صدقات بصرہ کی ولایت معلوم ہوتی ہے[1]۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۵، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۷ و ۲۷۸، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۱ طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۱ ص ۲۸۵۔

علمائے بغداد ابن علیہؒ کی نظر میں

اس دور میں یوں تو بصرہ، کوفہ، حرمین شریفین وغیرہ علم حدیث کے اہم مراکز تھے، مگر بغداد کو جو اہمیت و مرکزیت حاصل تھی وہ اہل علم کے لئے بڑی دلکش تھی، امام ابن عُلیہ نے یہاں کے علماء و محدثین کے علمی ذوق خصوصاً علم حدیث میں ان کی خصوصی اور امتیازی شان بتائی ہے، زیاد بن ایوب کا بیان ہے کہ ابن علیہؒ کہا کرتے تھے:

ما رأیت احسن رغبۃ فی طلب الحدیث من اھل بغداد	میں نے طلب حدیث میں علمائے بغداد سے زیادہ اور بہتر دلچسپی رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا

دوسرے راوی احمد بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ ابن علیہؒ کہا کرتے تھے:

ما رأیت قوماً احسن رغبۃ ولا اعقل لطلب الحدیث، (تاریخ بغداد ج ۱ ص۴۴ و ص۴۶)	میں نے طلب حدیث میں اہل بغداد سے زیادہ حسن نیت رکھنے والی اور باشعور جماعت نہیں دیکھی ۔

بصرہ میں ولایت صدقات اور بغداد میں ولایت مظالم

ابن علیہ کے ماں باپ دونوں غلام تھے مگر دونوں صاحب جاہ و ثروت تھے، والد ابراہیم بن مقسم کوفہ کے کپڑے کے مشہور تاجر تھے، جن کی تجارت بصرہ تک تھی، والدہ علیہ بنت حسان بصرہ کے علاقہ عوقہ میں ایک بڑے اور شاندار مکان کی مالک تھیں جو انھیں کے نام سے مشہور تھا، اس کے باوجود ابن علیہ نے معمولی زندگی بسر کی، بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی بزاز تھے، یعنی کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خطیب نے ان کے بارے میں امام ابوداؤد سجستانی کا یہ قول نقل کیا ہے ۔

ھو رجل من اھل الکوفۃ بزاز، ھو مولی بنی اسد[1]	وہ کوفہ کے بزاز اور بنو اسد کے آزاد کردہ غلام تھے،

[1] تاریخ بغداد ج ۶، ص ۲۳۰ و ۲۳۱ ۔

ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان کا خاندانی پیشہ بزازی ہو، لیکن دوسری روایت سے خود ابن علیہ کے تجارت کرنے کا پتہ نہیں چلتا ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے جن پانچ محدثین کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"اگر پانچ عالم نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا[1]"

ان میں ابن علیہ بھی تھے، اس بنا پر بھی ان کے بڑے تجارتی کاروکا خیال نہیں ہوتا بعد میں پھر دنیاوی راحت و آرام کے اسباب مہیا ہوئے اور پہلے بصرہ میں اور بعد کو بغداد میں امارت وولایت ملی، ابن سعد کا بیان ہے، جسے خطیب وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے،

وقد ولی صدقات البصرۃ وولی ببغداد المظالم فی آخر خلافۃ ھارون ونزل ھو ولدہ ببغداد واشتری بھا دارا[2]	ابن علیہ بصرہ کے صدقات (عشر و زکوۃ وغیرہ) کے امیر ہوئے اور ہارون رشید کے آخری دور خلافت میں بغداد میں محکمہ مظالم کے والی ہوئے اور وہ اور انکے لڑکے بغداد آئے اور وہاں مکان خریدا،

بصرہ کی ولایت کے بارے میں تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی مدت نہایت مختصر رہی اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی سخت تنبیہ کی وجہ سے ابن علیہ نے خلیفہ ہارون کے سامنے استعفا پیش کر دیا، ہارون رشید محرم ۱۶۹ھ میں خلیفہ ہوا، اور ابن مبارک ۱۸۱ھ میں فوت ہوئے اس لئے ابن علیہ کی یہ ولایت بصرہ ۱۶۹ھ اور ۱۸۰ھ کے درمیان رہی ہوگی اس وقت تک وہ بصرہ ہی میں مقیم تھے، اس کے بعد ہارون رشید کی وفات ۱۹۳ھ سے پہلے یعنی ہارون رشید کے آخری دور خلافت میں بغداد کی ولایت مظالم ملی، اسی زمانہ میں وہ اور ان کے بال بچے بصرہ سے منتقل ہو کر بغداد میں مستقل طور سے آباد ہو گئے، اور وہیں ایک

[1] ایضاً ص ۲۳۶ [2] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲۵ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۰

شانداد مکان خریدا، اس طرح زندگی کے آخری دن آرام سے گزارے،

نبیذ پینے کا الزام

امام ابن علیہ ریحانۃ الفقہاء اور سید المحدثین ہونے کے ساتھ زہد و تقویٰ اور حلم و وقار میں مشہور زمانہ تھے، مگر فتنۂ معاصرت سے نہ بچ سکے، اس زمانہ کے مشہور اور عام فتنۂ خلق قرآن میں ملوث کئے گئے، نیز ایک اور الزام بعض حلقوں کی طرف سے یہ رکھا گیا کہ وہ نبیذ کے نام پر مسکرات کا استعمال کرتے ہیں اور نشہ آور نبیذ علی الاعلان پیتے ہیں، سب سے پہلے اس روایت کو خطیب نے کئی سو سال کے بعد اپنی تاریخ میں درج کیا، اس کے بعد ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں نقل کیا۔

یہ روایت یوں ہے کہ ایک مرتبہ علی بن خشرم نے وکیع بن جراح سے کہا کہ میں نے ابن علیہؒ کو اس قدر زیادہ نبیذ پیتے ہو دیکھا ہے کہ وہ اپنی سواری پر تنہا اپنے گھر نہیں جا سکتے، اور کوئی ان کو پہونچاتا ہے، امام وکیع نے یہ سنکر فرمایا کہ جب تم کسی بصری کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھو تو اسے متہم قرار دو، اور جب کسی کوفی کو اسے استعمال کرتے ہوئے دیکھو تو اسے متہم قرار نہ دو، علی بن خشرم نے اس کا سبب پوچھا تو امام وکیع نے کہا کہ کوفی اس کو از رائے دین جائز سمجھکر پیتا ہے اور بصری اسے دینی اعتبار سے ناجائز سمجھ کر نہیں پیتا ہے[1]۔ تینوں محدثین نے یہ روایت نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے، نیز علی بن خشرم کے علاوہ ابن عُلیہؒ کے کسی دوسرے معاصر نے اس قسم کی بات نہیں کی ہے۔ جب کہ ان کے کئی ثقہ و مستند معاصرین نے ان کے حلم و وقار، زہد و تقویٰ اور پاکیزہ زندگی کی شہادت دی ہے جیسا کہ گذشتہ بیان میں معلوم ہوا،

خلق قرآن کا الزام

دوسری صدی میں فتنۂ خلق قرآن کی وجہ سے دینی حلقوں میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی، معتزلہ نے خلافت کا سہارا لیکر قرآن کریم کے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۸ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۸، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۲

مخلوق اور حادث ہونے کا عقیدہ پھیلانا چاہا اس عظیم فتنہ کے مقابلہ کے لئے ائمہ دین خاص طور سے محدثین سینہ سپر ہو گئے جن میں امام احمد بن حنبل خاص طور سے قابل ذکر ہیں، درحقیقت انھیں کی ہمت و جانبازی کی بدولت اس فتنہ کا استیصال ہوا، امام احمد ابن علیہ کے شاگرد تھے، لیکن اس کے باوجود لوگوں نے ابن علیہ پر خلقِ قرآن کا الزام لگا دیا جس کا ذکر آج تک کتابوں میں درج ہے لیکن بات صرف اتنی تھی کہ ابن علیہ خلیفہ امین کے دربار میں گئے اور اثنائے گفتگو میں یہ حدیث آگئی۔

تجئ البقرة وآل عمران يوم القيامة كانهما غمامتان يحاجان عن صاحبهما۔	قیامت کے دن سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران بادل کی شکل میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والے کی طرف سے بحث کریں گی۔

ابن علیہ سے کہا گیا کہ کیا ان دونوں سورتوں کے زبان ہوگی؟ اس پر ابن علیہ کی زبان سے نکل گیا کہ ہاں، ورنہ وہ کیسے گفتگو کریں گی، اسی جملہ کو سن کر ان پر خلق قرآن کا الزام لگا دیا گیا اور مشہور ہو گیا کہ ابن علیہ خلقِ قرآن کے قائل ہیں۔

یہ واقعہ ابن علیہ کے انتقال سے چند ماہ پیشتر کا ہے یہ گفتگو خلیفہ محمد الامین کے دربار میں ہوئی تھی جو اپنے والد ہارون الرشید کے انتقال پر جمادی الاولی ۱۹۳ھ میں تخت نشین ہوا تھا، اسی سال ۱۳ ذوقعدہ ۱۹۳ھ میں ابن علیہ کا انتقال ہوا، یہ ابن علیہ کا عقیدہ نہیں تھا اتفاق سے ایک بات ان کی زبان سے نکل گئی تھی، جس سے فوری تنبیہ پر انھوں نے رجوع کر لیا تھا لیکن مخالفین نے انکی بات پکڑ لی اور اعتراضات کا ایک دفتر تیار کر دیا، خطیب بغدادی، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے جلیل القدر اصحاب نے اس جملہ کو لغزش زبان قرار دیا ہے اور ابن علیہ کی ثقاہت اور صحتِ اعتقاد کی تصدیق کی ہے[1]

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۷، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۸۔

حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ "ان کی ثقاہت میں کوئی نزاع نہیں ہے[1] ان کے منہ سے بے خیالی میں ایک بات نکل گئی تھی جس سے توبہ کرلی تھی اس سے کیا ہوتا ہے مجھے تو اللہ سے ڈر ہے کہ خلق قرآن کے سلسلہ میں ان کا ذکر غیبت نہ ہو، عبدالصمد بن یزید مردویہ کا بیان ہے کہ "میں نے ابن علیہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں[1]" خطیب نے بھی عبدالصمد بن یزید مردویہ سے اسی طرح کا بیان نقل کیا ہے[2]۔

اس کے باوجود بعض محدثین کا دل ابن علیہ کی طرف سے صاف نہیں ہوا، ابوبکر یحییٰ ابن ابوطالب کا بیان ہے کہ ہم لوگ ابوسلمہ منصور بن سلمہ خزاعی کی مجلس میں موجود تھے انھوں نے زہیر بن معاویہ سے ایک حدیث بیان کرنی چاہی، مگر اتفاق سے منہ سے "حدثنا اسمٰعیل بن علیۃ" نکل گیا، فوراً کہا میں زہیر کہنا چاہتا تھا، اسمٰعیل ان کے مانند کیسے ہوسکتے ہیں، مرتکب گناہ اور بے گناہ یکساں کس طرح ہوسکتے ہیں۔ خدا کی قسم اسمٰعیل بن علیہ سے میں نے توبہ کرائی ہے[3]

ابن حجر نے اس واقعہ کو نقل کر کے منصور بن سلمہ خزاعی کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

قرأت بخط الذهبي هذا من الجرح المردود[4]

میں نے امام ذہبیؒ کے ہاتھ کی تحریر پڑھی ہے کہ یہ جرح قابل رد ہے۔

فضل بن زیاد کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ وہیب اور ابن علیہ میں سے آپ کسے پسند کرتے ہیں۔ اور جب ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو آپ کس کے قول کو ترجیح دیں گے، امام احمد نے کہا کہ وہیب مجھے زیادہ پسند ہیں، عبدالرحمٰن بن

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۲ ۔ [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۹ [3] ایضاً ص ۲۳۸ ۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۹ ۔

مہدی اسمٰعیل بن علیہ کے مقابلہ میں وہیب کو زیادہ پسند کرتے تھے، میں نے پوچھا ابن مہدی کیا وہیب کو حفظ کی بنا پر پسند کرتے تھے؟ فرمایا ہر اعتبار سے اسمٰعیل ابن علیہ مرتے دم تک اپنی بات (قضیہ خلق قرآن) کی وجہ سے کم حیثیت رہے، میں نے کہا کیا انھوں نے لوگوں کے سامنے توبہ اور رجوع نہیں کیا ہے؟ امام احمد نے کہا ہاں مگر اس واقعہ کے بعد آخری دم تک وہ محدثین سے عداوت رکھتے رہے پھر امام احمد امین کے دربار کا واقعہ نقل کرکے بار بار اسمٰعیل کے بارے میں کہتے رہے: جعلہ فداہ لا زلۃ من عالم، جعلہ فداہ لا زلۃ من عالم، گویا وہ اسمٰعیل کے اس جملہ کو دہراتے رہے جو انھوں نے خلیفہ امین سے معذرت اور رجوع کرتے ہوئے کہا پھر امین کے بارے میں بار بار یہ جملہ دہراتے رہے:

لعل اللہ ان یغفر لہ بہا — شاید اللہ اس کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمائے،

پھر امام صاحب نے اسمٰعیل بن علیہ کے بارے میں کہا وہ ثبت ہیں[1]۔

لیکن امام احمد کی طرف اس بات کی نسبت محل نظر ہے وہ ابن علیہ کے عقیدتمند شاگرد تھے، خطیب نے ان کے صاحبزادے عبداللہ سے روایت کی ہے کہ

سمعت ابی یقول: فاتنی مالک فاخلف اللہ علی سفیان ابن عیینۃ وفاتنی حماد بن زید فاخلف اللہ علی اسمٰعیل بن علیہ[2]

میں نے والد صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے امام مالک نہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے مجھے سفیان بن عیینہ کو دیا، اور حماد بن زید نہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل بن علیہ کو عطا فرمایا۔

اس طرح ابو سلمہ منصور خزاعی کا ابن علیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ میں نے ان سے توبہ کرائی ہے مگر مرتکب گناہ غیر مرتکب گناہ کے مانند نہیں ہو سکتا" روایت و درایت دونوں اعتبار

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۹ [2] ایضاً ص ۲۳۴ ۔

سے نقد وجرح کے لائق ہے، چنانچہ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے اس بیان کو مجروح اور قابل رد قرار دیا ہے[1]۔

اصحاب وتلامذہ

اصحاب وتلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے ان کے بعض شیوخ و واساتذہ اقران ومعاصرین اور ان سے زیادہ سن رسیدہ ائمہ نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کے اساتذہ میں شعبہ اور ابن جریج، معاصرین میں بقیہ بن ولید، حماد بن زید، سن رسیدہ افراد میں امام ابراہیم بن طہمان، مشاہیر اسلام اور ائمہ دین میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا نام لیا جاتا ہے[2]۔

ان کے علاوہ یہ حضرات ہیں، شعبہ بن حجاج سنہ ۱۶۰ھ، حماد ابن زید سنہ ۱۷۹ھ، حماد بن سلمہ سنہ ۱۶۴ھ سفیان بن عیینہ سنہ ۱۹۸ھ، عبدالرحمن بن مہدی سنہ ۱۹۸ھ یحییٰ بن سعید سنہ ۱۹۸ھ، وکیع بن جراح سنہ ۱۹۷ھ، سعید بن ابی عروبہ سنہ ۱۵۷ھ، زید بن زریع سنہ ۱۸۲ھ عاصم بن سلیمان الاحول سنہ ۱۴۲ھ، شریک بن عبداللہ سنہ ۱۷۷ھ، فضیل بن عیاض سنہ ۱۸۷ھ عبداللہ بن مبارک سنہ ھ، غندر صاحب شعبہ سنہ ۱۹۴ھ، عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی سنہ ۱۹۴ھ، یحییٰ بن سعید القطان سنہ ۱۹۸ھ یزید بن ہارون سنہ ۲۰۶ھ، علی بن عاصم سنہ ۲۰۱ھ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج سنہ ۱۵۰ھ، سفیان ثوری سنہ ۱۶۱ھ، ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی سنہ ھ، یونس بن عبید سنہ ۱۳۹ھ، عبدالوارث بن سعید سنہ ۱۸۰ھ ابراہیم بن طہمان سنہ ھ، یحییٰ بن معین سنہ ھ، علی بن مدینی سنہ ھ، زہیر بن حرب سنہ ھ احمد بن منیع سنہ ھ، بندار بن یسار سنہ ھ، محمد بن مثنی سنہ ھ، یعقوب دورقی سنہ ھ، حسن بن عرفہ سنہ ھ، اسحاق بن راہویہ سنہ ھ، موسیٰ بن سہل الوشار سنہ ھ، بقیہ بن ولید سنہ ھ، ابن وہب سنہ ھ، فلاس سنہ ھ، ابو معمر ہذلی سنہ ۲۳۶ھ

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۹ ۔ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۵ ۔

ابوبکر بن ابی شیبہ سنہ ھ، عثمان بن ابی شیبہ سنہ ھ، علی بن حجر سنہ ھ، ابن نمیر سنہ ھ ابوخیثمہ سنہ ھ وغیرہ،

تصانیف ذہبی نے لکھا ہے کہ ۱۴۳ھ میں علمائے اسلام نے فقہ، حدیث، تفسیر وسیر وغیرہ علوم کی تدوین وتالیف شروع کی، ابن جریج نے مکہ مکرمہ میں، سعید بن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہ نے بصرہ میں اوزاعی نے شام میں، امام مالک اور ابن اسحاق نے مدینہ منورہ میں، معمر نے یمن میں امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری نے کوفہ میں تدوین کا کام کیا، اس کے تھوڑے دنوں بعد ہشیم، لیث، ابن سعد، ابن لہیعہ، ابن مبارک، ابویوسف، ابن وہب نے کتابیں لکھیں، ان دینی علوم کے علاوہ عربی زبان وادب، لغت اور تاریخ میں بھی تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا[1]

اسی بعد کے دور میں امام ابن علیہ نے حدیث، فقہ اور تفسیر میں کتابیں تصنیف کیں، انکی جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ امام شعبہ انھیں سید المحدثین اور ریحانۃ الفقہا کہتے تھے انکی تصانیف میں حدیث وفقہ کا بہترین امتزاج تھا، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں کتاب التفسیر کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب المناسک ان کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے[2] لیکن اب یہ کتابیں ناپید ہیں، اور علمائے اسلام کی دوسری بے شمار کتابوں کی طرح صرف انکے نام باقی رہ گئے ہیں، البتہ کتب حدیث ورجال وغیرہ میں ان کے آراء واقوال ملتے ہیں، جو ممکن ہے ان کی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہوں، صدر اول کے علماء میں ابوبکر جعفر بن محمد ابن عبداللہ ابہری مالکی نے ستر مسائل میں ان سے اختلاف کیا تھا، اس سلسلہ میں ایک کتاب مرتب کر رہے تھے مگر یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی[3]

وفات امام ابن علیہ ۱۱۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے تھے، کم وبیش ۱۶۹ھ

۱؎ تاریخ الاسلام ج ۶ ص ۶ ۲؎ الفہرست ص ۳۱۷، ۳؎ الفہرست ص ۲۸۳

تک وہیں رہے اور ہارون رشید کے دور خلافت میں ۱۶۹ھ سے ۱۹۳ھ تک بغداد میں اہل وعیال کے ساتھ زندگی بسر کی، تاریخ وفات میں اختلاف ہے لیکن مشہور قول یہ ہے کہ سہ شنبہ کے دن ۱۳ ر ذی قعدہ ۱۹۳ھ میں بغداد میں فوت ہوئے اور دوسرے دن مقابر عبداللہ ابن مالک میں دفن کئے گئے، نماز جنازہ ان کے صاحبزادے ابراہیم بن اسمٰعیل ابن علیہ نے پڑھائی، جس دن ابن علیہ کا انتقال ہوا وکیع بن جراح بغداد میں موجود تھے [1]

خطیب نے معمر بن فضیل کا بیان نقل کیا ہے کہ ۱۹۳ھ میں ہم لوگ مکہ مکرمہ میں تھے، راشد الحنان نے ہم کو بتایا کہ ہم نے پنجشنبہ ۲۵ یا ۲۶ ر ذی قعدہ کو ابن علیہ کو دفن کیا اور نو دن کی مسافت طے کر کے بغداد سے مکہ مکرمہ پہونچے، اس کے بعد خطیب نے یعقوب بن شیبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابن علیہ سہ شنبہ ۱۳ ذی قعدہ ۱۹۳ھ میں فوت ہوئے [2] خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں ان کی وفات ۱۹۴ھ میں بتائی ہے [3] بعض دوسرے علماء نے بھی یہی لکھا ہے، ابن ندیم نے ابن علیہ کی پیدائش ۱۱۶ھ میں لکھی ہے اور ۱۹۳ھ میں ان کی وفات کے وقت عمر تراسی ۸۳ سال چند ماہ بتائی ہے [4] لیکن یہ حساب کے خلاف ہے، ۱۱۰ھ ہی میں پیدائش مانی جائے تب ۱۹۳ھ میں ۸۳ سال ہوں گے،

اولاد واحفاد

امام ابن علیہ صاحب اولاد تھے، ان کے تین صاحبزادوں کے نام اور حالات معلوم ہو سکے ہیں، ایک ابراہیم جنھوں نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، دوسرے حماد جو مشہور محدث تھے، اور تیسرے محمد یہ بھی محدث تھے، ان کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ بغدادی

یہ بھی اپنے والد کی طرح ابن علیہ کی کنیت سے مشہور

---

[1] طبقات ابن سعد ج ص ۳۲۶ [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۹ و ۲۴۰ - [3] تاریخ خلیفہ ج ۲ ص ۵۳ ۷، [4] الفہرست ص ۳۱۷ -

ہیں ان کی پیدائش کے بارہ میں ابن ندیم نے تصریح کی ہے کہ ۱۵۲ھ میں ہوئی تھی[1]
وہ بصرہ میں پیدا ہوئے پھر اپنے والد کے ساتھ بغداد چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار
کی ابن سعد نے اسمٰعیل بن علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کی نماز جنازہ ان کے لڑکے ابراہیم
بن اسمٰعیل نے پڑھائی حالانکہ اس دن بغداد میں وکیع بن جراح موجود تھے۔[2]

خطیب نے ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ علمائے متکلمین میں سے تھے اور خلق قرآن کے
قائل تھے، بغداد اور مصر میں ان کے اور امام شافعی کے درمیان جو مناظرے ہوئے ہیں اس کی
تفصیل میں نے دیکھی ہے۔[3]

ابراہیم بن اسمٰعیل نے اپنے والد کے علاوہ اور کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اس کا پتہ
نہیں چلتا البتہ بحر بن نصر خولانی یٰسین بن ابی زرارہ وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی
ہے آخر عمر میں وہ بغداد سے مصر جاکر باب الضوال میں آباد ہو گئے تھے، اور وہیں فوت ہوئے،

خطیب نے امام شافعی سے ان کے اختلافات کے واقعات نقل کئے ہیں یہ مباحث
اجماع اور خبر واحد کے سلسلہ میں تھے، اسی طرح خلق قرآن کے مسئلہ میں بھی امام احمد اور دوسرے
محدثین ان کے خیالات کو ناپسند کرتے تھے، یہ بھی اس زمانہ کا بڑا نازک مسئلہ تھا، اور محدثین
اس بارہ میں بڑے ذکی الحس تھے، ذرا سا اختلاف بھی ان کو ناگوار ہوتا تھا، ابراہیم کو علم کلام سے
دلچسپی تھی، اور ان مسائل کو کلامی رنگ میں پیش کرتے تھے اس لئے وہ لوگ انھیں راہ صواب
سے الگ سمجھتے تھے، بعد کو یہ مسائل منقح ہو گئے لیکن ان کے متعلق تذکروں میں محدثین کی
مخالفانہ رائیں درج ہیں، جنھیں پڑھ کر سادہ مزاج قاری الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے، بات
یہ ہے کہ معتزلہ کی ضرورت سے زیادہ عقلیت پسندی اور یونانی فلسفہ سے غیر معمولی تاثر عام
طور سے مسلمانوں کو ناپسند تھا پھر جب مامون اور معتصم کے دور میں حکومت کی طاقت بھی معتزلہ

[1] الفہرست ص ۳۱۸ [2] طبقات ابن سعد ج، ص ۲۲۶ [3] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۰

کے ساتھ ہوگئی، اور امام احمد اور دوسرے ائمہ حدیث پر بہت زیادہ مظالم کیے گئے تو دیندار مسلمانوں کی ناراضی اور بڑھی، نوبت یہاں تک پہونچی کہ جس نے ذرا بھی ان مباحث میں لب کشائی کی مسلمانوں کی نظر سے گر گیا۔ ابراہیم سے برہمی کی یہی وجہ ہے۔

علم کلام اور خبر واحد کے سلسلہ میں ابراہیم بن علیہ پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے، خطیب بغدادی نے اپنے خاص ذوق کے مطابق ان کو نقل کیا ہے۔

حارث بن سریج کا بیان ہے کہ ایک دن میں امام شافعی کی خدمت میں پہونچا اس وقت ان کے پاس محدثین کی ایک جماعت موجود تھی اور پورا مکان حاضرین سے بھرا ہوا تھا، جن میں احمد بن حنبل اور حسین فلاس بھی تھے اس وقت ابراہیم بن علیہ امام شافعی کے سامنے بیٹھے خبر واحد کے بارے میں کلام کر رہے تھے، میں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ ان اعیان واشرکی موجودگی میں اس بدعتی سے متوجہ ہو کر بات کر رہے ہیں؟ امام صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ ان لوگوں کی موجودگی میں میری ابراہیم سے گفتگو ان کے لئے زیادہ مفید ہے اس کے بعد ابراہیم سے کہا کہ کیا تم اجماع کو حجت نہیں مانتے ہو؟ ابراہیم نے اس کا اقرار کیا تو امام صاحب نے کہا کہ بتاؤ تم ایک عدل راوی کی خبر واحد کو اجماع سے رد کرو گے یا بغیر اجماع کے اس کا انکار کرو گے؟ اس پر ابراہیم خاموش رہے۔ اور حاضرین کو خوشی ہوئی۔

صالح بن ابو صالح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ امام شافعی کی مجلس میں موجود تھے اور امام صاحب خبر واحد کے اثبات پر گفتگو کر رہے تھے، ہم نے پوری بحث لکھکر ابراہیم بن علیہ کو دکھائی اس وقت ان کی مجلس درس مصر کے باب الضوال میں منعقد ہوتی تھی، انھوں نے امام شافعی کے دلائل کا رد کیا جسے ہم لکھکر امام شافعیؒ کے پاس لے گئے اور امام صاحب نے ابن علیہ کے دلائل کا جواب دیا۔ جن کو لکھ کر ہم نے ابراہیم کو سنایا اور انھوں نے ان کا رد کیا اب کے بار بھی ہم نے حسب سابق امام شافعی کو ان کے جوابات اور دلائل دکھائے، تو کہا کہ:

ان ابن علیة ضال قد جلس — ابن علیہ گمراہ ہے باب الضوال میں بیٹھکر

عند باب الضوال یضل الناس (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۱)

لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

خطیب ہی نے یعقوب بن سفیان فارسی کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابراہیم بن علیہ مصر کی ایک مسجد سے عشار کی نماز پڑھ کر نکلے انکے ساتھ ایک شخص تھا، زقاق القنادیل سے گذر رہے تھے کہ اس شخص نے کہا کہ کل رات میں سورۃ انعام پڑھ رہا تھا تو معلوم ہوا کہ اس کے اجزار ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ابراہیم علیہ نے یہ سنکر کہا کہ جو تم نے نہیں دیکھا ہے اس میں اس سے زیادہ باہمی تناقض ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳)

یہ بے سروپا باتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ ابراہیم بن علیہ سے خبر واحد اور علم کلام کے بارے میں ان کے معاصرین کو اختلاف تھا، ہمارے نزدیک ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

بہرحال ابراہیم نے بغداد اور مصر میں تقریباً چالیس سال تک اس زمانہ کے ذوق کے مطابق دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے میں گذارے، اس مدت میں صدہا طلبہ نے ان سے استفادہ کیا، مگر ان کے اساتذہ کی طرح ان کے تلامذہ کے نام بھی کتابوں میں نہیں ملتے ہیں البتہ خطیب نے ان کے دو شاگردوں بحر بن نصر خولانی اور لیسین بن ابی زرارہ کی نشاندہی کی ہے، لیسین کے حالات تو نہیں ملتے مگر بحر بن نصر خولانی متوفی ۲۲۶ھ کو تذکرہ نویسوں نے ثقہ محدث بتایا ہے انھوں نے ابراہیم کے علاوہ امام شافعی ابن وہب، اشہب بن عبدالعزیز، اسد بن موسیٰ، عبدالرحمٰن بن زیاد رصاصی، خالد بن عبدالرحمٰن خراسانی سے بھی حدیث کی روایت کی ہے، اور ان سے ابن ابی حاتم رازی نے براہ راست اور امام نسائی نے ایک واسطہ سے روایت کی ہے ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

وکان احد الثقات الاثبات روی النسائی فی جمعہ لمسند

وہ ثقات واثبات میں سے تھے، امام نسائی نے اپنی کتاب میں مسند مالک کے حصہ میں

مالك عن رجل عنه[1] ان سے روایت کی ہے۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ابراہیم بن اسماعیل کے اس شاگرد سے ان کی حیثیت کا علم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بارہ میں مخالفانہ خیالات کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے'

تصانیف ابراہیم بن اسمٰعیل ابن علیہ صاحب تصانیف تھے، ان کی کتابیں فقہی مباحث پر تھیں جن میں بحث وتمحیص کا رنگ غالب تھا اور وہ اپنے ارار واقوال پر دلائل لانے میں مشہور تھے، داؤد ابن علی اصفہانی نے ان کی ایک کتاب پر نقد لکھنے کے سلسلہ میں ان کے حجج ودلائل کا اعتراف کیا ہے چنانچہ خطیب نے لکھا ہے کہ داؤد بن علی اصفہانی ظاہری سے زکریا بن یحییٰ نے کہا کہ ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہؒ اور عیسیٰ بن ایان نے مل کر امام شافعی کی رد میں ایک کتاب لکھی ہے آپ ان کا جواب دیں تو بہتر ہے داؤد بن علی نے کہا کہ عیسیٰ بن ابان اہل علم سے نہیں ہیں ان کی کتاب کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اس کا جواب تو بچے دے سکتے ہیں، اس کتاب کی تالیف میں ابن سختیان نے عیسیٰ بن ابان کی مدد کی ہے البتہ میں ابراہیم بن علیہ کا جواب لکھ رہا ہوں ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ اس کے بعد زکریا بن یحییٰ نے یہ تاثر ظاہر کیا ہے۔

وذهب الى انه كان احتج (تاریخ بغداد ج صـ۲۱) — داؤد کا مطلب یہ تھا کہ ابراہیم کے دلائل قوی ہیں۔

اور خطیب نے حسب ذیل الفاظ میں ان کے اس طرز استدلال کی طرف اشارہ کیا:

وله مصنفات فى الفقه تشبه الجدل[2] — فقہ میں ان کی تصنیفات ہیں جن میں بحث ومناظرہ کا رنگ ہے،

وفات ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ نے آخر عمر میں بغداد سے مصر جاکر باب الضوال میں اقامت

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۱۹ [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳ ۔

اختیار کرلی تھی، وہیں نویں ذی الحجہ ۲۱۸ھ میں ان کی ۶۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مصر کے بجائے انھوں نے بغداد میں وفات پائی،

حماد بن اسمٰعیل بن علیہ دوسرے صاحبزادے کا نام حماد بن اسمٰعیل ہے یہ بھی اپنے باپ اور بھائی کی طرح ابن علیہ کی کنیت سے مشہور ہیں، اپنے والد اسمٰعیل بن علیہ اور وہب ابن جریر بن حازم سے روایت کی اور ان سے امام مسلم امام نسائی، عثمان بن خرزاذ، محمد بن اسحٰق صاغانی، یعقوب بن سفیان، محمد بن عباس کابلی محمد بن عبدوس بن کامل سراج اور احمد بن ابوعوف بزوری وغیرہ نے روایت کی ہے امام نسائی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے ۲۴۴ھ میں بغداد میں فوت ہوئے خطیب نے انکی سند سے حضرت عطیہ قرظی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے[1]۔

محمد بن اسمٰعیل بن علیہ تیسرے صاحبزادے ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل تھے ان کو ابوبکر بصری بھی کہتے ہیں یہ بھی اپنے خاندان والوں کی طرح ابن علیہ کی کنیت سے مشہور ہیں، خطیب نے حماد بن اسمٰعیل بن علیہ کے بیان میں ان کا نام لیا ہے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوعامر عقدی، عثمان بن عمر بن فارس، اسحاق بن یوسف ازرق، جعفر بن عون، حجاج بن محمد، سعید ابن عامر ابوالنضر، وہب بن جریر یونس بن محمد، محمد بن بشیر عبدی، یعلیٰ بن عبید، یزید بن ہارون، عبداللہ بن بکر سہمی، علی بن حفص مدائنی، مکّی بن ابراہیم، ابونعیم، محمد بن عبداللہ انصاری وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے،

اور ان سے امام نسائی، ابوزرعہ دمشقی، ابراہیم بن دحیم، ابراہیم بن متویہ، محمد بن عبداللہ ابن عبدالسلام، مکحول، ابوبشر دولابی، عبداللہ بن احمد بن ابی الحواری، ابوالعباس محمد بن جعفر ابن محمد بن ہشام بن بلاس، ابوالفضل احمد بن عبداللہ بن نصر بن ہلال سلمی، ابوالحسن احمد ابن عمر بن

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۱۵۷ و تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴ ۔

جو صار اور دوسرے محدثین نے روایت کی ہے۔

امام نسائی نے ان کو حافظ ثقہ بتایا ہے، دار قطنی نے اظہار اطمینان کیا ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے، عدی نے ثقہ اور مستملی نے مستقیم الحدیث کہا ہے، ابن حبان نے کہا ہے وہ غرائب کی روایت کرتے ہیں،

بغداد سے دمشق گئے اور وہاں کے قاضی بنائے گئے یحییٰ بن اکثم کی معزولی کے بعد جب جعفر بن عبد الواحد عہدۂ قضا پر مامور ہوئے تو انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بن علیہ کو دمشق کا قاضی مقرر کیا وہ ۲۶۴ھ تک اسی عہدہ پر رہے۔[۱]

ربعی بن ابراہیم بن مقسم

ابراہیم بن مقسم کی دوسری اولاد علیہ کے بطن سے ربعی تھے، جو اسمٰعیل بن ابراہیم کے بعد پیدا ہوئے، صاحب طبقات ابن سعد نے اس کی تصریح کی ہے[۲]

ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں لکھا ہے کہ ربعی بن ابراہیم بن مقسم، اسمٰعیل بن علیہ کے بھائی ہیں، انھوں نے یونس اور عبد الرحمٰن بن اسحاق سے روایت کی ہے اور ان سے ابو خیثمہ اور حماد بن زاذان نے روایت کی ہے، ان کی علمی جلالت شان کے لئے امام عبد الرحمٰن بن مہدی کا یہ قول کافی ہے:

کنا نعد ربعی ابن علیة اخا اسماعیل بن علیة من بقایا شیوخنا۔	اسماعیل بن علیہ کے بھائی ربعی بن علیہ کو ہم لوگ اپنے اسلاف و شیوخ کی یادگار شمار کرتے ہیں۔

اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ ربعی بن علیہ ثقہ اور مامون ہیں[۳]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۵ و ص ۵۶ [۲] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۳۲۵ –

[۳] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۵۱۰ –

اسحاق بن ابراہیم بن مقسم

یہ بھی اپنے دونوں بھائیوں کی طرح علم حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، امیر ابن ماکولا نے لکھا ہے:

اسمٰعیل وربعی واسحاق بنو ابراھیم یعرفون ببنی علیۃ وھی امھم[1]

اسمٰعیل، ربعی اور اسحاق تینوں ابراہیم کے صاحبزادے ہیں جو اپنی ماں کی نسبت سے بنی علیہ کہے جاتے ہیں۔

اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ اسحاق بن ابراہیم اسدی بصری، اسمٰعیل بن علیہ کے بھائی ہیں، ان سے عبدالوہاب بن عطار نے حدیث کی روایت کی ہے[2]۔ اس سے زیادہ ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

---

[1] الاکمال ج ۶ ص ۲۵۶ ، [2] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۳۷۸ ۔

امام ابوالحسن مدائنیؒ

اسلامی ہند کے پہلے مورّخ

دوسری صدی کے نصف اوّل (سنہ ۱۴۰ھ تا ۱۵۰ھ) میں پورے عالم اسلام میں مختلف موضوعات پر کتابوں کی تدوین وتالیف کا دور شروع ہوا تو احادیث وآثار اور فقہ کی طرح سیرۃ، مغازی، طبقات وتاریخ، فتوحات وغزوات، اور احداث واخبار پر بھی کتابیں لکھی گئیں اور تیسری صدی تک ان موضوعات پر تصانیف کا انبار لگ گیا،

اس دور میں بلاد اسلامیہ کی فتوحات وغزوات پر بہت سے علمار وائمہ نے کتابیں لکھیں ان میں متعدد علمار نے خراسان، سجستان، کرمان، مکران، سندھ اور ہندوستان کے علاوہ بہت سے عجمی ممالک کے غزوات وفتوحات پر خصوصی توجہ دی، ہماری تحقیق میں اس دور میں امام ابوالحسن علی ابن محمد مدائنی متوفی ۲۲۵ھ رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے مورخ ہیں۔ جنھوں نے اسلامی ہند پر تین مستقل کتابیں لکھیں اور یہاں کی فتوحات وامارات اور اخبار واحوال کے ساتھ خصوصی اعتنار کیا، ابن ندیم نے ان کے بارے میں علمائے تاریخ وطبقات کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

قالت العلماء، ابومخنف بامر — علمار نے کہا ہے کہ ابومخنف عراق کے امور

العراق واخبارها وفتوحها يزيد علی غیرہ والمدائنی بامر خراسان والهند وفارس والواقدی بالحجاز والسیرۃ وقد اشترکوا فی فتوح الشام[1]	واخبار اور فتوحات کے بارے میں دوسروں سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور مدائنی خراسان، ہندوستان اور فارس کے بارے میں دوسروں پر فائق ہیں اور واقدی حجاز کے اخبار اور سیر و مغازی میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور شام کی فتوحات میں سب مشترک ہیں

اور مدائنی کی تقریباً سوا دو سو تاریخی تصانیف میں ہندوستان کے موضوع پر ان تین[2] مستقل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) کتاب ثغر الہند (۲) کتاب عمال الہند (۳) کتاب فتح مکران[2]۔

مدائنی کے معاصر اور ان سے متقدم الوفاۃ مورخ علامہ واقدی متوفی ۲۰۷ھ کی ایک کتاب اخبار فتوح بلد السند کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے اپنی کتاب الذخائر والتحف میں کیا ہے، جس میں واقدی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر سندھ عبداللہ بن سوار عبدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں راجہ قیقان کے گرانقدر تحفہ بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ واقدی کی تصانیف میں اس نام کی کسی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کتاب فتوح العراق میں اس عنوان سے مستقل باب سندھ کی فتوحات کا رہا ہو، جیسے بلاذری کی کتاب فتوح البلدان میں فتوح السند کے الگ عنوان کے تحت یہاں کے غزوات و فتوحات اور امارات کا ذکر ہے۔ بہرحال واقدی نے مدائنی سے پہلے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی توجہ کر کے مستقل کتاب یا مستقل باب لکھا ہے۔ اس کے باوجود ہندوستان کے بارے میں مدائنی کی متعدد تصانیف اور ان کے دو شاگرد خلیفہ بن خیاط بصری متوفی ۲۴۰ھ اور ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری متوفی

---

[1] الفہرست ص ۱۳۷ [2] ایضاً ص ۱۵۰۔

۲۸۰ھ کی اپنی کتابوں میں یہاں کے حالات سے خصوصی اعتنا کی وجہ سے مدائنی اسلامی ہند کے پہلے مورخ ملنے جائیں گے، اس وقت اسی حیثیت سے ان کا تذکرہ مقصود ہے، وہ دوسری صدی کے عظیم مورخ ماہر انساب وطبقات عالم فتوح ومغازی، راویۂ ایام و اخبار اور ثقہ وصدوق محدث ہیں اور تواریخ واحداث پر اپنی تصانیف کثیرہ کی وجہ سے اخباری کے لقب سے مشہور ہیں، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

امام ابوالحسن مدائنی کا مستقل تذکرہ حسب ذیل کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

(۱) ان کے سب کے قدیم تذکرہ نگار ابن قتیبہؒ متوفی ۲۷۶ھ نے کتاب المعارف میں دو سطر سے کم ہی میں ان کا ذکر کیا ہے (۲) ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ان کا حال کم اور تصانیف کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے (۳) خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں نسبتہً تفصیل سے لکھا ہے۔ جو بعد والوں کا ماخذ ہے (۴) سمعانی نے کتاب الانساب میں تاریخ بغداد کا خلاصہ درج کیا ہے (۵) یاقوت نے معجم الادباء میں کچھ زائد باتیں لکھی ہیں اور ابن ندیم کے حوالے سے تصانیف کا مفصّل تذکرہ کیا ہے (۶) امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں جرح و تعدیل کے انداز میں ان کا تذکرہ کیا ہے، العبر فی خبر من غبر میں تاریخ بغداد کا خلاصۃ الخلاصہ بیان کیا ہے اور المغنی عن الضعفاء میں ایک سطر میں لکھا ہے (۷) ابن عماد نے شذرات الذہب میں العبر کی عبارت نقل کر دی ہے۔

نام ونسب اور ولاء ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابی سیف قرشی مدائنی مولیٰ عبدالرحمٰن ابن سمرہ یا مولیٰ عبد شمس بن عبد مناف عام طور سے ابوالحسن مدائنی یا صرف مدائنی سے مشہور ہیں۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں[۱] بلاذری نے فتوح البلدان کے باب السند میں[۲] خطیب نے تاریخ بغداد میں[۳]، ابن ندیم نے الفہرست[۴] میں سمعانی

---

[۱] ص ۲۲۴ [۲] ص ۴۲۰ [۳] ص ۵۴ ج ۱۲ [۴] ص ۱۴۷ -

نے کتاب الانساب میں[1] یاقوت نے معجم الادباء میں[2] مدائنی کے نام ونسب اور ولاء کے بارے میں اتنا ہی لکھا ہے جسے مدائنی کے شاگرد رشید حارث بن ابو اسامہ نے بیان کرکے کہا ہے کہ یہ معلومات خود مدائنی نے اپنے نسب کے بارے میں مجھے دی ہیں، خطیب نے لکھا ہے:

محمد بن جریر الطبری قال علی بن محمد بن عبد الله بن ابی سیف، مولی عبد الرحمن بن سمرة اخبرنی الحارث انه هو الذی اخبره بنسبه و ولائه[3]

طبری کا قول ہے کہ علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف مولی عبد الرحمن بن سمرہ کے نسب اور ولاء کے بارے میں ان کے شاگرد حارث بن ابو اسامہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ خود مدائنی نے ان کو یہ معلومات دی ہیں۔

اور ابن ندیم نے لکھا ہے:

قال الحارث بن ابی اسامة المدائنی ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الله بن ابی سیف المدائنی مولی شمس بن عبد مناف[4]

حارث بن ابو اسامہ نے بتایا ہے کہ مدائنی کا نام ونسب اور ولاء یوں ہے ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ ابن . . . . . ابی سیف مولی شمس بن عبد مناف۔

مدائنی کے اجداد میں کوئی بزرگ فاتح سجستان حضرت عبد الرحمن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اسی لئے مدائنی ولاءً قرشی ہیں اور مولی عبد الرحمن بن سمرہ یا مولی عبد شمس بن عبد مناف کہے جاتے ہیں، مدائنی کے پردادا ابو سیف غالباً حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضؓ کے ساتھ کابل یا سندھ کے علاقہ سے بصرہ گئے اور مسلمان ہوئے جو حضرت عثمان رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے زمانہ میں سجستان وکابل کے ساتھ سندھ ومکران کے بعض علاقوں کے مشہور فاتح ہیں، وہ پہلی بار ۳۳ھ میں سجستان

---

[1] ص ۵۱۵ ج ۲، [2] ص ۳۰۹ ج ۵ [3] تاریخ بغداد ص ۵۵ ج ۱۲ [4] الفہرست ص ۱۴۷

کی مہم پر آئے دوسری بار ۴۳ھ میں یہاں کی بغاوت فرو کرنے کیلئے آئے، اور سندھ و مکران کے بعض نواحی علاقے فتح کئے، آخر میں بعہد معاویہ بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا، بصرہ کے جس علاقے میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ مقیم تھے، اس کو سکۂ ابن سمرہ کہتے تھے جہاں ان کا شاندار اور وسیع وعریض، قصر تھا، اسی میں ان کے کابلی غلاموں نے ایک عظیم الشان مسجد کابلی طرز تعمیر پر بنائی تھی، بعد میں یہ علاقہ ان کی اولاد کا مسکن بنا اور سکۂ بنی سمرہ کہلایا، جس کے مالک حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کے پوتے عقبہ بن عبداللہ نامی ایک بزرگ تھے بلاذری کا بیان ہے۔

وکان عبدالرحمٰن قدم بغلمان
من سبی کابل فعملوا له مسجداً
فی قصره بالبصرة علی بناء کابل[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کابل سے غلام
لائے تھے، جنھوں نے ان کے قصر واقع بصرہ میں
کابلی طرز تعمیر پر ایک مسجد بنائی۔

۳۳ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے کابل کی مہم کے سلسلے میں افغانستان کے علاقہ زرنج کے حاکم سے دو ہزار غلاموں پر صلح کی تھی، پھر آگے بڑھ کر ہندوستان کے بعض نواحی علاقے فتح کئے، بلاذری نے لکھا ہے۔

فاتی زرنج حصر مرزبانها
فی قصره فی یوم عید لهم فصالحه
علی الف وصیف، وغلب ابن سمرة
علی ما بین زرنج وکش من ناحیة
الهند[2]۔

حضرت ابن سمرہ نے زرنگ کے حاکم کا اسکے قلعہ
میں وہاں کے قومی جشن کے دن محاصرہ کیا، اور اس
نے دو ہزار غلاموں پر ان سے صلح کی اور حضرت
ابن سمرہؓ ہندوستان کی جانب زرنگ اور کچھ کے
درمیانی علاقہ پر قابض ہو گئے۔

ہو سکتا ہے کہ کابل کے جنگی قیدیوں اور غلاموں میں کچھ لوگ ہندوستانی علاقے کے بھی رہے، ہوں جن میں مدائنی کے جدِ اعلیٰ بھی شامل تھے، اور اسی آبائی وطنی تعلق کی بناء پر انھوں نے ہندوستان کے غزوات وفتوحات اور امارات وحادثات پر مستقل کتابیں لکھیں۔

اس زمانے میں عام طور سے غلمان وموالی اپنے آقاؤں کے ساتھ ان کے

---

[1]: فتوح البلدان ص ۳۸۸۔ [2]: فتوح البلدان ۳۸۴،

جوار میں رہتے تھے، اس لئے مدائنی کا خاندان بھی بصرہ کے سِکّہ ابن سمرہ میں رہتا تھا۔

بصرہ میں پیدائش اور نشو و نما

بصرہ کے اسی سکہ ابن سمرہ میں مدائنی باتفاق مورخین ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں ان کی نشو و نما ہوئی، ابن ندیم نے لکھا ہے:

ومولدہ علی ما رواہ محمد بن یحیی عن الحسین بن فھم عنہ انہ قال ولدت سنۃ خمس وثلاثین ومائۃ[1]	مدائنی کی ولادت کے بارے میں حسین ابن فہم نے کہا ہے کہ خود مدائنی کا قول ہے کہ میری ولادت ۱۳۵ھ میں ہوئی ہے۔

خطیب نے مدائنی کے شاگرد حارث بن ابواسامہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

وکان مولدہ ومنشاءہ بالبصرۃ ثم سار الی المدائن بعد حین ثم سار الی بغداد فلم یزل بہا حتی توفی بہا[2]	مدائنی کی ولادت اور نشو و نما بصرہ میں ہوئی ہے، پھر وہ مدائن گئے، اس کے بعد بغداد چلے گئے، اور وہیں رہے، حتی کہ وہیں فوت ہوئے۔

نیز خطیب، سمعانی اور یاقوت نے لکھا ہے کہ مدائنی بصری ہیں، مدائن میں قیام کیا، پھر وہاں سے بغداد منتقل ہو گئے اور وفات تک یہیں رہے، یہ عجیب بات ہے کہ وہ بصری المولد والمنشاء اور بغدادی الوفاۃ ہونے کے باوجود درمیان میں کچھ مدت قیام مدائن کی وجہ سے مدائنی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

اس وقت بصرہ کی آبادی پر تقریباً ایک سو بیس[12] سال گزر چکے تھے، اور پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح کا دورِ خلافت تھا، ۱۴ھ میں بصرہ کی تعمیر و تمصیر فوجی

---

[1] الفہرست ص ۱۴۷ - [2] تاریخ بغداد ج ۱۲، ص ۵۵

حربی نقطۂ نظر سے ہوئی تھی، اس لئے یہاں فاتح عربوں اور مفتوح عجمیوں کی آبادیاں زیادہ ہوئیں، سواد بصرہ میں دیگر بلادِ عجم کی طرح ہندوستان بھی شامل تھا، اور یہاں کا حربی اور شہری نظام بصرہ کے مرکز سے وابستہ تھا، اس لئے یہاں ایران کے اساورہ کی طرح ہندوستان کے زط (جاٹ) سیابجہ اور مید وغیرہ بڑی تعداد میں آباد ہوگئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرہ کے سرکاری خزانے (بیت المال) کی حفاظت پر ہندوستان کے چالیس اور ایک روایت کے مطابق چار سو سیابجہ مامور تھے، جن کا سردار ابوسالمہ نامی ایک مسلمان جاٹ تھا۔[1]

اس دور میں بصرہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مجمع البحرین تھا، تابعین اور تبع تابعین کے برکات و حسنات عام تھے، اسلامی علوم و فنون کے ائمہ تدریس و تعلیم اور تدوین و تالیف میں مصروف تھے، جن میں اکثریت طبقۂ موالی کی تھی، اسی ماحول میں مدائنی نے آنکھیں کھولیں اور دینی و علمی نشو و نما پائی، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ بصرہ میں گزارا۔

بصرہ میں تعلیم

جیسا کہ معلوم ہوا بصرہ اُس وقت علم و علماء سے معمور و مشحون تھا، اور ائمۂ دین کی برکتیں عام تھیں، مدائنی نے اپنے مولد و منشاء میں رہ کر انہیں حضرات سے تعلیم حاصل کی اور یہاں کے شیوخ سے احادیث کی روایت کی، ان کے شیوخ و اساتذہ میں یہ بصری علماء نمایاں مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، حماد بن سلمہ بصری متوفی ۱۶۷ھ، مبارک بن فضالہ بصری متوفی ۱۶۵ھ، ابوبکر ہذلی (سلمی بن عبداللہ بن سلمی) بصری متوفی ۱۶۷ھ، سلام بن ابی مطیع بصری متوفی ۱۷۳ھ اور ان کے تلامذہ میں خلیفہ بن خیاط بصری متوفی ۲۴۰ھ، محمد بن صالح قرشی بصری

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۹۔

متوفی ۲۵۲ھ اور ابن شبہ بصری متوفی ۲۶۲ھ قابل ذکر ہیں۔

مدائنی اپنے مولد و منشار کی بلدی تاریخ پر خصوصی نظر رکھتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام بصرہ ہی کے زمانے میں ان کے علمی و تحقیقی ذوق میں پختگی آگئی تھی، چنانچہ ان کے شاگرد بلاذری نے تمصیر البصرۃ کے باب میں وہاں کے تاریخی آثار و علائم کے متعلق ان کی متعدد روایات درج کی ہیں، مثلاً ص۳۴۸ پر حمام ابوبکرہ، ص۳۵۰ پر احنف بن قیس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری اور گفتگو، ص۱۵۳ پر قصر ہزار دڑ، ص۳۵۶ پر خطۂ زیادان، ص۳۵۹ پر نہر یزید بن مہلب، ص۳۶۰ پر قطعۂ مہلبان، اور ص۳۶۱ پر خطۂ کوسجان کے بارے میں مدائنی کے حوالے سے اہم معلومات درج ہیں۔

دیگر مقامات میں تحصیلِ علم

مدائنی کے شیوخ و اساتذہ میں بصری، کوفی، مکی، مدنی، بغدادی سب ہی شامل ہیں، مگر یہ عجیب بات ہے کہ کتابوں میں ان کے کسی استاد یا علمی سفر کا ذکر نہیں ہے، صرف امام ذہبی نے العبر میں اتنا لکھا ہے:

سمع ابن ابی ذئب و طبقتہ[1] — مدائنی نے امام ابن ابی ذئب اور ان کے معاصرین سے حدیث کا سماع کیا ہے،

امام ابن ابی ذئب (محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب) مدنی متوفی ۱۵۸ھ مدینہ منورہ کے مفتی و فقیہ تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدائنی نے مدینہ منورہ کا سفر کرکے امام ابن ابی ذئب سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ مدائنی کے شیوخ میں امام ابن ابی زائدہ (یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، خالد بن میمون کوفی) متوفی ۱۸۳ھ ہیں جو مدائن کے قاضی تھے، اور وہاں کے عہدۂ قضا ہی

---

[1] العبر فی خبر من غبر ص۳۹۱ ج ۱ و شذرات الذہب ص۵۴ ج ۲

کے زمانے میں فوت ہوئے غالباً مدائنی نے وہاں کے زمانۂ قیام میں قاضی ابن ابی زائدہ سے روایت کی ہے، نیز اس زمانے کے عام رواج کے مطابق مدائنی نے بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ، مدائن اور بغداد کے ائمۂ حدیث وفقہ سے تحصیل وتکمیل کی ہوگی، یہ بلاد وامصار اس وقت اسلامی علوم کے دار العلم اور ائمۂ دین کے گہوارے تھے۔

شیوخ واساتذہ

جیساکہ معلوم ہوا مدائنی کے شیوخ واساتذہ کے نام ان کے تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھے ہیں صرف امام ذہبی نے "سمع ابن ابی ذئب وطبقتہ" لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مدائنی نے امام ابن ابی ذئب کے علاوہ ان کے معاصر ائمۂ حدیث سے سماع وروایت کا شرف پایا ہے۔

ذیل میں ہم مدائنی کے چند شیوخ واساتذہ کے نام پیش کرتے ہیں جو ان کے دو شاگردوں کی کتابوں میں ان سے روایت کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ خلیفہ بن خیاط کی "تاریخِ خلیفہ"، اور بلاذری کی "فتوح البلدان" ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ان ہی دونوں کتابوں سے مدائنی کے اساتذہ کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ اگر بلاذری "انساب الاشراف" اور طبری کی "تاریخ" وغیرہ میں تلاش وجستجو کی جائے تو مزید نام مل سکتے ہیں۔ ان دونوں مؤرخوں نے بعض مقامات پر مدائنی کے شیوخ اجمالی طور سے بیان کیے ہیں، مثلاً خلیفہ نے ایک مقام پر لکھا ہے:

وحدثنی علی بن محمد عن شیاخہ ص ۱۵ اور بلاذری نے ایک جگہ وحدثنی المدائنی عن اشیاخہ ص ۳۷۵ اور دوسری جگہ وحدثنی المدائنی علی بن محمد بن ابی سیف عن اشیاخہ ص ۲۹۸ لکھا ہے۔

خلیفہ اور بلاذری کی کتابوں میں مدائنی کی جو روایات موجود ہیں ان کی پوری سند نقل کردی گئی ہے تاکہ ان کے سلسلۂ سند کے رواۃ ورجال کے نام

بھی معلوم ہو جائیں جس سے ان کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ ہو گا۔ جن اساتذہ کے حالات فی الحال مل سکے، ان کا مختصر تعارف لکھ دیا ہے، ان میں ائمۂ حدیث و فقہ، عُبّاد و زُہّاد اور علمائے تاریخ و سیر سب ہی شامل ہیں۔

(۱) حدثنی علی بن محمد، عن اسحاق بن ابراهیم الازدی (خلیفہ ص۵۹۲)

(۲) علی بن محمد، عن ایوب بن عتبہ عن یحیی بن ابی کثیر، عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن (خلیفہ ص۸۸)

ابو یحیٰی ایوب بن عتبہ متوفی ۱۶۰ھ قاضی یمامہ بنی قیس ثعلبہ سے ہیں، انھوں نے یحییٰ بن ابی کثیر، عطاء بن ابی رباح، قیس بن طلق حنفی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوداؤد طیالسی، اسود بن عامر بن شاذان، قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، ابوالنضر ہاشم بن قاسم، آدم بن ابی ایاس وغیرہ نے روایت کی ہے[۱]

(۳) حدثنی المدائنی عن ابی اسمٰعیل الطائفی، (بلاذری ص۶۷)

(۴) وحدثنا ابوالحسن عن بقیۃ بن عبدالرحمٰن، عن ابیہ (خلیفہ ص۳۱۶)

(۵) وحدثنی المدائنی عن جهم بن حسان (بلاذری ص۳۳۷)

(۶) ابوالحسن، عن حباب بن موسیٰ، عن عاصم بن بهلۃ، عن زر بن حبیش، (خلیفہ ص۱۲۷) ابوالحسن عن حباب بن موسیٰ، عن جابر عن ابی الجمراء (ایضاً ص۲۱۹)

ان کے شیخ عاصم بن بہلہ کوفی متوفی ۱۲۷ھ ابن ابی النجود کی کنیت سے مشہور ہیں، اور یہ مشہور قاری ہیں۔

(۷) فحدثنی علی بن محمد، عن حماد بن سلمۃ، عن علی بن زید، عن سعید بن مسیب

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰۸

(خلیفہ ص۵۶) وحدثنا علی بن محمد وموسیٰ بن اسمٰعیل، عن حماد بن سلمۃ عن ھشام

بن عروہ عن ابیہ (ایضاً ص۶۷، ص۸۳، ص۸۷، ص۱۰۶)

ابو سلمہ حماد بن سلمہ بن دینار بصری متوفی سنہ ۱۶۷ھ مفتی بصرہ، مشہور ائمہ دین میں ہیں، مولیٰ تیم یا مولیٰ قریش ہیں، انھوں نے ثابت بنانی، قتادہ، حمید الطویل، انس بن سیرین، ہشام بن عروہ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی اور ان سے ابن جریج، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، شعبہ، قطان وغیرہ نے روایت کی[1]

(۸) ابو الحسن، عن خلاد بن عتبہ، عن علی بن زید، عن عبد الرحمٰن ابن ابی بکرہ (خلیفہ ص۱۳۷)

خلاد بن عتبہ کے شیخ ابو الحسن علی بن زید بن عبد اللہ بن ابی ملیکہ تیمی، بصری متوفی سنہ ۱۲۹ھ مشہور محدث ہیں۔

(۹) حدثنا علی بن محمد بن ابی سیف، عن سلام بن ابی مطیع، عن قتادہ، عن سعید بن مسیب (خلیفہ ص۲۹، ص۹)

ابو سعید سلام بن ابی مطیع بصری متوفی سنہ ۱۷۳ھ بصرہ کے خطباء و عقلاء میں سے تھے، انہوں نے ابو عمران جونی اور ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی ہے۔ امام احمدؒ نے ان کو ثقہ صاحب سنت بتایا ہے[2]

(۱۰) ابو الحسن، عن سلمہ بن عثمان، عن زید بن علی، عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ (خلیفہ ص۱۳۰)

سلمہ بن عثمان کوفی متوفی (سنہ ۷۲ھ) نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱ - [2] العبر ص ۲۶۳/۱ -

اشعری رضؓ سے مرسل حدیث کی روایت کی ہے جسے ان کے بھانجے مسعر نے ان سے سنا ہے[1]

(۱۱) فحدثنا علی بن محمد، عن عبد اللہ بن عمر الانصاری عن ھشام بن عروہ، عن ابیہ (خلیفہ ص۸۰)

ان کے شیخ ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام اسدی متوفی ۱۴۶ھ مشہور تابعی اور محدث ہیں۔

(۱۲) وحدثنی المدائنی، عن عبد اللہ بن القاسم، عن فردہ بن لقیط (بلاذری ص۳۲۳)

(۱۳) حدثنا علی عن عبد الرزاق، عن معمر، عن قتادہ، عن الحسن، (خلیفہ ص۲۲۷)

ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی متوفی ۲۱۱ھ مشہور امام و حافظِ حدیث ہیں۔ انھوں نے اپنے والد ہمام، چچا وہب اور معمر عبید اللہ بن عمر، ابن جریج، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان بن عینیہ، سفیان ثوری، وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے استاد سفیان بن عینیہ اور معتمر بن سلیمان کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے روایت کی ہے[2] حدیث میں انکی مشہور کتاب المصنف چھپ گئی ہے۔

(۱۴) وحدثنی (علی بن محمد بن ابی سیف) عن ابن المبارک عن مجالد، عن الشعبی (خلیفہ ص۱۴۱)

حضرت ابو عبد الرحمٰن، عبد اللہ بن مبارک مروزی متوفی ۱۸۰ھ مشہور ائمہ

---

[1] تاریخ کبیر بخاری ج ۲ قسم ۱ ص ۸۷، [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۱۔

اسلام میں سے ہیں، انھوں نے موسیٰ بن عقبہ، ابن ابی ذیب، اعمش، ہشام بن عروہ، اوزاعی، شعبہ، سفیان ثوری، لیث بن سعد، امام مالکؒ وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے معمر بن راشد ابن عینیہ، معتمر بن سلیمان وغیرہ نے روایت کی، ان کے تلامذہ اور ان کے شیوخ واقران کی بڑی تعداد ہے۔[۱]

(۱۵) قال علی، عن عثمان بن عبد الرحمٰن (خلیفہ ص۸۰) وحدثنی علی بن محمد، عن عثمان بن عبد الرحمٰن، عن الزہری (ایضاً ص۷۹، ۸۲، ۹۹)

ابو عمر عثمان بن عبد الرحمٰن زہری متوفی ایام خلیفہ ہارون، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں، وقاصی اور مالکی کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، عطاء بن ابی رباح، نافع مولی بن عمر، محمد بن منکدر، ابن شہاب زہری اور سابق بربری سے روایت کی، حجازی ہیں، بغداد میں حدیث کی روایت کی۔[۲]

(۱۶) علی بن محمد، عن المبارک بن فضالہ، عن الحسن (خلیفہ ص۸۷) ابو الحسن عن المبارک بن فضالہ، عن معاویہ بن قرۃ، (ایضاً ص۱۳۱) علی بن ابی سیف عن المبارک بن فضالہ۔ عن الحسن (ایضاً ص۱۳۱)

ابو فضالہ مبارک بن فضالہ بن ابی امیہ بصری متوفی ۱۶۵ھ مولی زید بن خطاب نے حسن بصری، بکر بن عبد اللہ مزنی، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ سے روایت کی، تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ سال تک امام حسن بصری کے حلقۂ درس میں شریک رہے، نہایت عابد وزاہد تھے۔[۳]

(۱۷) وحدثنا علی بن محمد، عن ابن ابی ذئب، عن الزہری، عن سالم عن ابیہ (خلیفہ ص۸۳)

---

[۱] العبر ج ۵ ص ۳۸۳، [۲] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۷۹، [۳] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۔

ابو الحارث محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب، ہشام بن شعبہ مدنی متوفی ۱۵۸ھ ابن ابی ذئب کی کنیت سے مشہور ہیں، عکرمہ مولی بن عباس، نافع مولی ابن عمر، سعید بن ابی سعید مقبری سے روایت کی اور ان سے سفیان ثوری، معمر بن راشد، عبد اللہ ابن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، واقدی وغیرہ نے روایت کی، مدینہ منورہ میں فتویٰ دیتے تھے، فقہائے مدینہ میں سے تھے، تمام رات عبادت وریاضت میں گزارتے تھے[1]

(۱۸) ابو الحسن عن محمد بن صالح الثقفی، عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکہ (خلیفہ ص۲۰۶)

(۱۹) قال ابو الحسن عن علی بن سلیم (خلیفہ ص۲۲۴)

ابو سلیم علی بن سلیم الجزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ان سے معمر اور ابو عوانہ نے روایت کی[2]

(۲۰) علی بن محمد عن علی بن مجاھد، عن حنش بن مالک (خلیفہ ص۱۷۵) وحدثنی المدائنی عن علی بن مجاھد، عن محمد بن اسحٰق، عن الزہری (بلاذری ص۳۲۳)

قاضی ابو مجاہد علی بن مجاہد بن رفیع کابلی متوفی بعد ۱۸۰ھ قبیلہ کندہ یا عبد القیس کے مولی اور مدائنی کے ہم وطن یعنی کابل کے موالی میں سے تھے، ان کی کتاب المغازی مشہور ہے۔ انھوں نے ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی مدنی، موسیٰ بن عبیدہ ربذی مسعر، محمد بن اسحاق، یونس بن ابو اسحاق، عنبسہ بن سعید، حجاج بن ارطاۃ، سفیان ثوری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے جریر

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۲۔ [2] تاریخ کبیر بخاری ج ۳ قسم ۲ ص ۲۷۷

بن عبد الحمید، محمد بن عیسیٰ بن طباع، ابو صالح سلمویہ، احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی۔

(۲۱) وحدثنی المدائنی، عن علی بن حماد، وسحیم بن حفص وغیرھما

(بلاذری ص۳۷۷)

(۲۲) وحدثنی علی عن قراد، عن عثمان بن معاویۃ، عن ابیہ، عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ (خلیفہ ص۱۳۲)

ابو نوح عبد الرحمٰن بن غزوان خزاعی بغدادی متوفی ۲۰۷ھ مولیٰ عبد اللہ بن مالک کا لقب قراد ہے، انھوں نے عوف، شعبہ اور حجاج وغیرہ سے روایت کی، امام احمد نے ان کو عقلاء میں شمار کیا ہے، علی بن مدینی نے ثقہ کہا ہے، ابن سعد اور ابن معین نے لا باس بہ بتایا ہے[۱]

(۲۳) وحدثنی المدائنی عن علی بن حماد وسحیم بن حفص وغیرھما

(بلاذری ص۳۷)

ابو الیقظان سحیم بن حفص متوفی ۱۹۰ھ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، انساب عرب کے زبردست عالم و مصنف ہیں، مدائنی نے کہا ہے کہ سحیم ان کا لقب ہے۔ اصل نام عامر بن حفص ہے۔ حفص کے سب سے بڑے لڑکے کا نام محمد تھا، جس کی وجہ سے ان کی کنیت ابو محمد تھی، اور ان کا رنگ سیاہ تھا، اس لئے اسود کے نام سے بھی مشہور تھے، اور ابو الیقظان کا بیان ہے کہ ان کی والدہ نے پندرہ دن تک ان کا نام عبید اللہ رکھا تھا۔ اس کے بعد مدائنی نے بتایا کہ جب میں بہ سلسلۂ روایت ابو الیقظان کہوں تو یہی ابو الیقظان مراد ہیں اور اگر سحیم بن

---

[۱] تاریخ کبیر بخاری ج ۳ قسم ۲ ص ۲۹۷ تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۷۔

[۲] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۳۳۵

حفص عامر بن حفص، عامر بن ابو محمد، عامر بن اسود، سحیم بن اسود، عبید اللہ بن حفص،
اور ابو اسحٰق کہوں تو بھی یہی ابو الیقظان مراد ہوتے ہیں[۱]۔

(۲۴) قال ابو الحسن، عن الھذلی (خلیفہ صـ۲۰) قال ابو الحسن عن الھذلی، عن الجارود بن ابی سبرۃ، عن سنان بن سمرۃ بن المحیق الھذلی۔

(خلیفہ صـ۲۰۲) فحد ثنا ابو الحسن عن الھذلی، عن قتادۃ، (خلیفہ صـ۲۰۴)

وحد ثنی المدائنی عن ابی بکر الھذلی والعباس بن ھشام عن ابیہ، عن عوانۃ، (بلاذری صـ۳۵)

ابو بکر سلمہ بن عبد اللہ بن سلمی ہذلی بصری متوفی ۱۶۷ھ، تواریخ و اخبار کے مشہور عالم ہیں، امام شعبی اور معاذۃ العدویہ اور دوسرے اہلِ علم سے روایت کی ہے[۲]۔

(۲۵) وحد ثنی علی بن محمد، عن النضر بن اسحٰق، عن قتادہ (خلیفہ صـ۱۱۹)

ان کے شیخ حضرت قتادہ بصری متوفی ۱۱۷ھ مشہور تابعی ہیں۔

(۲۶) علی بن محمد، عن مسلمہ عن داؤد، عن عامر، وابی معشر (خلیفہ صـ۱۸۱)

علی بن محمد عن مسلمہ بن محارب، عن داؤد بن ابی ھند (خلیفہ صـ۱۶۴، صـ۱۷۱، صـ۲۰۲) حد ثنا ابو الحسن، عن مسلمہ بن محارب عن حرب بن خالد بن یزید بن معاویہ (خلیفہ صـ۲۱۸) وحد ثنی علی بن محمد المدائنی عن مسلمہ بن محارب وغیرہ (بلاذری صـ۲۷۶)

مسلمہ بن محارب بن سلیم بن زیاد زیاری متوفی سـ ھ نے اپنے والد محارب سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد کے پاس لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] الفہرست ص ۱۳۸۔ [۲] العبر ج ۱ ص ۲۵۲۔

علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عجم کے غیر مسلم یا اعدائے اسلام کسی قوم سے مقابلہ کے وقت میری مدد نہ کریں[1]

(۲۷) ابو الحسن عن ابی معشر عن زید بن اسلم وغیرہ (   )

ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی مدنی متوفی ۱۷۰ھ مولی بنی ہاشم صاحب المغازی اور باتفاق اہل علم اعلم الناس بالمغازی ہیں، انھوں نے نافع مولی ابن عمر، ہشام بن عروہ، موسی بن یسار، محمد بن منکدر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سفیان ثوری ابن مہدی وکیع، قاضی ابو یوسف وغیرہ نے روایت کی ہے، اخباری ہونے کے ساتھ حافظ حدیث وفقیہ تھے، ان کی کتاب المغازی بہت مشہور ہے[2]

(۲۸) وحدثنی علی بن محمد بن ابی الذیال، عن حمید بن ہلال (خلیفہ ص۱۲۳)

(۲۹) وحدثنی علی بن محمد المدائنی عن ابی المحمد الہندی عن ابی الفرج (بلاذری ص۴۳۶)

ابو محمد ہندی بغدادی مولی بنی تمیم ہیں، انھوں نے ابو الفرج کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ راجہ داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم پورے سندھ پر قابض ہو گئے[3]

(۳۰) حدثنی علی بن محمد، عن ابی زکریا العجلانی (العجلی) عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ (خلیفہ ص۲۵) وحدثنا علی بن محمد عن ابی زکریا یحیی بن معین (یمان) العجلانی (العجلی) عن سعد بن اسحٰق عن ابیہ (خلیفہ ص۸۳)

حدثنا ابو الحسن عن ابی زکریا العجلانی (العجلی) عن نافع، عن ابن عمر (〃 ص۱۹۰)

---

[1] تاریخ کبیر ج ۴، ص ۳۸۷۔ [2] تاریخ بغداد و تہذیب التہذیب وغیرہ۔ [3] فتوح البلدان، ص ۴۳۶۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲ ص ۱۲۰، تہذیب التہذیب، ج ۱۱ ص ۳۰۶۔

ابوزکریا یحییٰ بن یمان عجلی کوفی متوفی ۱۸۹ھ نے اپنے والد کے علاوہ ہشام بن عروہ، اعمش، اسمٰعیل بن ابو خالد، معمر، منہال بن خلیفہ، سفیان ثوری، حمزہ بن زیات وغیرہ سے روایت کی۔ امام سفیان ثوری کے علوم کے سب سے زیادہ ناشر ہیں، بڑی متقشفانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے راہب کہے جاتے تھے۔ بغداد میں حدیث کی روایت کی۔[۱]

(۳۱) علی بن محمد، عن یحییٰ بن زکریا، عن مجالد، عن الشعبی (خلیفہ ص۱۶۳)

ابو سعید بن زکریا بن ابو زائدہ خالد بن میمون بن فیروز ہمدانی کوفی متوفی ۱۸۳ھ ابن ابی زائدہ کی کنیت سے مشہور ہیں، حلقۂ موالی سے ہیں، اپنے والد کے علاوہ اعمش، عبداللہ بن عون عاصم الاحول، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابو ہند وغیرہ سے روایت کی ہے۔ ایک قول کے مطابق امام ابن ابی زائدہ نے کوفہ میں سب سے پہلے حدیث کی تدوین کی ہے۔ امام ابو حنیفہؓ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کا قول ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ علمِ حدیث میں معطر دلہن کے مانند ہیں۔ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ وہ مدائن میں قاضی تھے اور بزمانۂ قضاء ہی ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے۔ غالباً مدائنی نے اسی زمانے میں ان سے روایت کی، جب کہ دونوں مدائن میں سکونت پزیر تھے۔

(۳۲) ابوالحسن، عن یعقوب بن داؤد الثقفی (خلیفہ ص۹۹)

(۳۳) قاضی علی بن محمد، روی عن موسیٰ بن عقبہ (خلیفہ ص۱۰)

موسیٰ بن عقبہ بن ابو عیاش مدنی متوفی ۱۴۱ھ مولی آل الزبیر نے حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے۔ ام خالد صحابیہؓ سے روایت کی ہے، ان کی کتاب المغازی نہایت مستند ہے، امام مالکؒ کا قول ہے کہ مدینہ میں ان سے بڑا مغازی

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۸

کا کوئی عالم نہیں ہے۔ تم لوگ اس مرد صالح کی کتاب "المغازی" کو پڑھو پڑھاؤ کیونکہ وہ اس بارے میں صحیح ترین کتاب ہے[1]

غالباً مدائنی کی روایت موسیٰ بن عقبہ سے براہِ راست نہیں ہے ان کی وفات کے وقت مدائنی کی عمر چھ سال تھی۔

(۳۴) قال ابو الحسن، عن شیخ من الانصار والمصعبی وغیرهم (خلیفہ ص۹۳)

(۳۵) قال ابو الحسن عن رجل من اهل مکة عن صالح بن کیسان عن عبد العزیز بن مروان (خلیفہ ص۲۱۵)

(۳۶) محمد بن احمد بن القاسم حدثنا المدائنی، حدثنا ابو بکر بن ابی النضر، حدثنا ابو النضر، حدثنا عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار عن ابی حازم، عن سهیل بن سعد الساعدی (تاریخ جرجان ص۳۹۸)

ابو بکر بن ابی النضر ہاشم بن قاسم کنانی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنے والد ابو النضر سے اور قراد ابو نوح، محمد بن بشر عبدی، اسود بن عامر قعنبی سے روایت کی اور ان سے امام بخاری، امام مسلم، ابو قدامہ سرخسی، ابو حاتم رازی نے روایت کی ہے[2]

(۳۷) ابو مالک الخزاعی عن ابی الحسن المدائنی، عن کلیب بن خلف عن ادریس بن حنظلة قال الخ (تاریخ جرجان ص۹)

چچ نامہ میں سندھ کی فتوحات کے سلسلہ میں مدائنی کی جو روایات ہیں، ان میں ان اساتذہ کے نام ملتے ہیں، اسحٰق بن ایوب، بشر بن خلید، حاتم بن قبیصہ بن مہلب ازدی، عبد الرحمن بن عبد ربہ سلیطی، ابو اللیث ہندی مولیٰ بنی تمیم۔

مدائنی کے مذکورۂ بالا شیوخ واساتذہ کے نام اور ان کے سلسلۂ سند کے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۰۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۸۶۔

رواۃ و رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ائمہ حدیث و فقہ کی تعداد علمائے تواریخ و اخبار سے کہیں زیادہ ہے۔ ان میں چند نام ایسے بھی ہیں جن سے مدائنی نے کسی خاص واقعہ یا محدود واقعات کی روایت کی ہے۔

اصحاب و تلامیذ

دوسری اور تیسری صدی کا زمانہ دینی علوم و فنون کے شیوخ و اصحاب کی کثرت کے لحاظ سے مشہور ہے چنانچہ ہر اسلامی شہر میں زیادہ سے زیادہ معلمین و متعلمین نظر آتے تھے۔ اسی دور میں مدائنی نے بھی علمی و دینی سرگرمی میں حصہ لیا اور بہت سے اہل علم نے ان سے فیض حاصل کیا، جن میں ائمہ حدیث اور علمائے تواریخ و اخبار سب ہی شامل ہیں، مگر ان کے اساتذہ کی طرح ان کے تلامذہ کے نام بھی ان کے تذکرہ میں نہیں ملتے ہیں، صرف خطیب بغدادی نے "روی عنہ" لکھ کر ان کے پانچ تلامذہ زبیر بن بکار، احمد بن ابی خیثمہ، احمد بن حارث الخزاز، حارث بن ابو اسامہ اور حسن بن علی بن متوکل کے نام کی تصریح کر کے "وغیرہم" لکھا ہے، جن کو سمعانی اور یاقوت نے بھی نقل کیا ہے۔[1] کتب طبقات و رجال میں تلاش و جستجو سے مدائنی کے تلامذہ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے، چنانچہ ان کے دو ممتاز شاگرد جوان کے بالکل ہم مذاق اور اس درجہ متاثر تھے کہ انھوں نے بھی اپنے استاد کے تتبع میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی لے کر اپنی تصانیف میں یہاں کے غزوات و فتوحات، اخبار و احداث اور امارات و ولایات کو خاص طور سے بیان کیا، یعنی خلیفہ بن خیاط اور ابوالحسن بلاذری، ان کے نام بھی مدائنی کے تلامذہ میں نہیں، حالانکہ مدائنی سے انھوں نے براہِ راست بہت زیادہ روایت کی ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۱۲ ص ۵۴۔ کتاب الانساب، ج ۲، ص ۵۱۵۔ معجم الادبا، ج ۵ ص ۳۰۹۔

(۱) ابو عمرو خلیفہ بن خیاط شیبانی عصفری متوفی سنہ ۲۴۰ھ شباب کے لقب سے مشہور ہیں، تاریخ و ایام کے حافظ، رواۃ حدیث کے ناقد و مبصر اور مستقیم الحدیث و صدوق ہیں، سفیان بن عیینہؒ، یزید بن زریع، ابو داؤد طیالسی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" اور "تاریخ کبیر" میں روایت کی ہے، نیز ابو یعلی موصلی، عبداللہ بن امام احمدؒ، حسن بن سفیان ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے[۱]۔ بسلسلۂ تحصیلِ علم خلیفہ کے بصرہ سے باہر جانے کی تصریح نہیں ملتی ہے، اغلب یہ ہے کہ انھوں نے مدائنی سے ان کے قیام بصرہ کے زمانے ہی میں کسب علم کیا ہے، "تاریخ خلیفہ" اور "طبقاتِ خلیفہ" دونوں کتابیں چند سال ہوئے چھپ گئی ہیں، "تاریخ خلیفہ" ہمارے پاس موجود ہے، جو تاریخ سنین پر قدیم ترین کتاب مانی جاتی ہے، خلیفہ نے اس میں سنہ ۱ھ سے ۲۳۲ھ تک کے اہم واقعات اور وفیات اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں، اس میں انھوں نے پچاس ۵۰ سے زائد روایات اپنے استاد مدائنی کی درج کی ہیں، اور اکثر مقامات پر علی، علی بن محمد، ابو الحسن لکھا ہے، بعض جگہوں میں ان کا پورا نام علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف بھی لکھا ہے، مگر کہیں مدائنی کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے بصرہ ہی میں ان سے روایت کی ہے، اس کتاب میں خلیفہ نے سنین کے ماتحت ہندوستان کے غزوات و فتوحات اور احوال بیان کئے ہیں، جو یہاں کے بارے میں نہایت اہم اور نادر معلومات ہیں اور دوسری کسی کتاب میں نہیں ملتی ہیں، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے واقعات میں کہیں مدائنی کا نام نہیں لیا ہے بلکہ واقعات دوسروں کی روایت سے اور بعض بغیر سند کے درج کئے ہیں جب کہ دوسرے بہت سے واقعات مدائنی

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۱۶۱۔ ابن خلکان ج ۱، ص ۱۹۰۔

سے نقل کیے ہیں، یہ کتاب مدائنی کی زندگی میں لکھی گئی ہے۔

۲۔ ابو الحسن احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد بلاذری بغدادی متوفی ۲۸۰ھ

نہایت ثقہ اور مشہور مورخ و نسّاب ہیں، ان کی تصانیف میں سے "فتوح البلدان" کے علاوہ "انساب الاشراف" کا معتدبہ حصہ چھپ چکا ہے، ان دونوں کتابوں میں بلاذری نے اپنے استاد مدائنی کی بہت سی روایتیں درج کی ہیں، صرف فتوح البلدان کے مختلف مقامات میں پچیس[۲۵] سے زائد روایات ان سے منقول ہیں، اس کے باب فتوح السند کی ابتدا ہی اخبرنا علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف سے کی ہے، درمیان میں بھی ان کے نام کی تصریح کے ساتھ واقعات بیان کیے ہیں، بعض محققین کا خیال ہے کہ فتح سندھ کا پورا باب مدائنی کی کتاب یا روایت سے ماخوذ ہے البتہ بعض دوسرے رواۃ کے نام تائیدی طور سے آگئے ہیں یا کوئی نئی بات دوسرے سے نقل کی ہے۔ بلاذری نے اس کتاب میں عام طور سے ابو الحسن اور علی بن محمد کے ساتھ المدائنی کی نسبت ظاہر کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بغداد میں مدائنی سے روایت کی ہے اور اس وقت وہ قیام مدائن کی وجہ سے مدائنی کی نسبت سے مشہور ہو چکے تھے۔

۳۔ ابو جعفر احمد بن حارث بن مبارک الخزاز بغدادی متوفی ۲۵۸ھ مولی خلیفہ ابو جعفر منصور صاحب المدائنی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ ابن ندیم نے ان کو "راویۃ المدائنی" لکھا ہے اور ان کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے خطیب نے لکھا ہے کہ احمد بن حارث الخزاز نے مدائنی سے ان کی تصانیف کی روایت کی ہے۔ وکان صدوقاً من اھل الفھم والمعرفۃ، ان سے امام ابو بکر بن ابی الدنیا، ابو سعید سکری نحوی، ابو احمد جریری نے روایت کی ہے، نہایت وجیہ و شکیل تھے، سر بڑا، داڑھی لمبی چوڑی اور دہن کشادہ تھا۔ انتقال سے ایک سال قبل سے شرخ

خضاب استعمال کرنے لگے تھے، کہتے تھے کہ میں نے سنا ہے کہ منکر نکیر میت پر خضاب دیکھ کر آسانی کرتے ہیں[1]

۴۔ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب نسائی بغدادی متوفی ۲۷۹ھ مشہور حافظ حدیث ہیں، بقول خطیب بغدادی نہایت ثقہ حافظِ حدیث ہیں، مختلف فنون کے جامع، اخبار و ایام میں صاحبِ نظر اور ادب کے امام ہیں۔ ہر فن اس کے مشہور مستند امام سے حاصل کیا ہے۔ چنانچہ علمِ حدیث یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبلؒ سے علم الانساب مصعب بن عبداللہ زبیری سے ایام الناس ابوالحسن مدائنی سے، اور علم ادب و عربیت محمد بن سلام جُمَحی سے حاصل کیا۔ ان کی کتاب "التاریخ الکبیر" کے بارے میں خطیب نے لکھا ہے کہ یہ ان کی بہترین و مفید ترین تصنیف ہے۔ اس سے بہتر اور مفید کوئی تاریخ میرے علم میں نہیں ہے۔ وہ اس کتاب کی روایت بالمشافہ کرتے تھے۔ تاریخ ابن ابی خیثمہ کی روایت و سماعت امام ابوالقاسم بغوی جیسے اکابر شیوخ نے کی ہے[2]

۵۔ ابو محمد حارث بن محمد ابواسامہ تمیمی متوفی ۲۸۲ھ نے مدائنی کے علاوہ علی بن عاصم، یزید بن ہارون، محمد بن عمر واقدی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوبکر بن ابی الدنیا اور امام محمد بن جریر طبری نے روایت کی، حارث بن ابواسامہ کی روایت سے امام طبری اور خطیب نے مدائنی کے بعض اہم حالات بیان کئے ہیں۔ محمد بن محمد اسکافی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابراہیم حربی سے حارث بن ابواسامہ کے بارے میں سوال کیا اور کہا میں ان سے حدیث کا سماع کرنا چاہتا ہوں مگر وہ اس پر درہم وصول کرتے ہیں تو امام ابراہیم حربی نے کہا کہ تم ان سے حدیث حاصل کرو کیونکہ وہ ثقہ ہیں۔ ۲۸۲ھ میں چھیانوے ۹۶ سال

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۲۳ - فہرست ابن ندیم ص ۱۵۲ [2] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۶۳، العبر ج ۲ ص ۶۲

کی عمر میں فوت ہوئے [۱]

۶- ابو عبداللہ زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب مدنی متوفی ۲۵۶ھ نے ابوالحسن مدائنی، سفیان بن عیینہ، ابوحمزہ انس بن عیاض، نضر بن شمیل وغیرہ سے روایت کی، مکہ مکرمہ کے قاضی تھے۔ بغداد میں حدیث کی روایت کی، نہایت ثقہ و ثبت محدث تھے۔ ساتھ ہی انساب و اخبار کے زبردست عالم تھے۔ ان کی کتاب "جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا" کا معتد بہ حصہ چھپ چکا ہے اور میرے پاس ہے۔ اس کتاب میں بعض واقعات مدائنی سے مروی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۳۸۸ پر وحدثنی ابوالحسن المدائنی وغیرہ ہے۔ زبیر بن بکار چوراسی سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے [۲]

۷- ابومحمد حسن بن علی بن متوکل بن میمون متوفی ۲۹۱ھ مولی عبدالصمد بن علی ہاشمی نے ابوالحسن مدائنی، شریح بن نعمان، عاصم بن علی، عفان بن مسلم، خالد بن ابویزید قرنی سے روایت کی، خطیب نے ان کو ثقہ بتایا ہے [۳]

۸- ابوعبداللہ محمد بن صالح بن مہران بصری قرشی متوفی ۲۵۲ھ مولی بنی ہاشم ہیں۔ ابوالتیاح کی کنیت سے مشہور ہیں۔ اپنے والد کے علاوہ ابوالحسن مدائنی، ابوسلمہ محمد بن عبداللہ انصاری، ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ، اسد بن عمرو بجلی، عون بن کہمس بن حسن، معتمر بن سلیمان اور واقدی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عباس بن جعفر بن ابوطالب، عبداللہ بن احمد ابن یونس، ابن ابی الدنیا، احمد بن علی خراز وغیرہ نے روایت کی۔ بغداد میں حدیث کی روایت کی۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ خطیب نے لکھا ہے کہ وہ اخباری، ماہر انساب اور سیر کے راوی

---

۱ تاریخ بغداد، ج ۸ ص ۲۱۸۔ ۲ ایضاً ج ۸، ص ۴۶۷۔ ۳ ایضاً ج ۸۔ ص ۳۲۹۔

تھے۔ کتاب الدولہ ان کی تصنیف ہے[1]

۹۔ ابوزید عمر بن شبہ بن عبیدہ بن ربطہ نمیری بصری متوفی ۲۶۲ھ مولی بنی نمیر ہیں، انھوں نے عبدالوہاب ثقفی، غُندر، ابو عاصم النبیل محمد بن سلام جُمَحی، ہارون بن عبداللہ، ابراہیم بن منذر سے روایت کی، ذہبی نے ان کو الحافظ الاخباری، صاحب التصانیف لکھا ہے، ابن ندیم نے ابن شبہ کو شاعر، اخباری، فقیہ، صادق اللہجہ، غیر مدخول الروایہ کی صفات سے یاد کیا ہے، اور تواریخ واخبار میں ان کی بائیس ۲۲ کتابوں کے نام بتائے ہیں جن میں "تاریخ مدینہ" بھی ہے[2]

مدائنی مدائن میں

مدائنی کی زندگی عراق کے تین شہروں میں بسر ہوئی۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پاکر ایک مدت تک رہے پھر مدائن گئے اور آخر میں بغداد پہنچے اور یہیں پیوندِ خاک ہوئے۔ خطیب نے لکھا ہے:

وھو بصری، سکن المدائن ثم انتقل عنها الی بغداد فلم یزل بها الی حین وفاته۔

وہ بصری ہیں، مدائن میں رہے، پھر وہاں سے بغداد منتقل ہوگئے اور تادمِ مرگ وہیں رہے۔

اور ان کے شاگرد حارث بن ابو اسامہ کا بیان ہے:

وکان مولدہ ومنشؤہ بالبصرۃ، ثم سار الی المدائن بعد حین، ثم سار الی بغداد فلم یزل بها حتی توفی بها۔[3]

ان کی ولادت اور نشو ونما بصرہ میں ہوئی پھر مدائن گئے، اس کے بعد بغداد چلے گئے، جہاں مقیم رہے یہاں تک کہ یہیں فوت ہوئے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۲۷۔ [2] الفہرست ص ۱۶۳۔ العبر ج ۲ ص ۲۵ [3] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۴، ۵۵

مدائنی مدائن میں کیوں گئے، کب گئے اور کتنے دنوں وہاں مقیم رہے؟ ان باتوں کے بارے میں ان کے تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس کے باوجود وہ مدائنی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ جو شخص کسی شہر میں چار سال تک مقیم ہو وہ اس شہر کی طرف منسوب ہوگا۔[1] محدثین کے اس اصول کے رُو سے مدائنی کم از کم چار سال تک مدائن میں مقیم رہے۔ ان کے شیوخ میں امام ابن ابی زائدہ مدائن کے قاضی تھے اور زمانہ قضا ہی میں ۱۸۳ھ میں وصال فرمایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدائنی یہاں ۱۸۳ھ کے حدود میں سکونت پذیر تھے۔ مدائن عراق کا قدیم ترین شہر تھا جو کسرائیوں کا مرکزی مقام تھا، اسی کے قریب بغداد آباد ہوگیا تھا۔ بقول خطیب بغداد سے ایک دن کی مسافت سے کم دوری پر تھا۔ گویا مدائن بغداد کا نواحی شہر تھا اور کسی نہ کسی درجہ میں اس کی مرکزیت باقی تھی۔

مدائنی بغداد میں

اسی طرح مدائنی کے بغداد جانے کا زمانہ بھی معلوم نہیں ہے البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ ۲۱۳ھ سے پہلے یہاں آچکے تھے۔ یاقوت کی روایت کے مطابق ان کو خلیفہ مامون نے ایک مرتبہ اپنے میر منشی ابوجعفر احمد بن یوسف کے ذریعے دربار میں بلوایا تھا اور احمد بن یوسف کا انتقال ۲۱۳ھ میں ہوا۔ اس لئے مدائنی اس سے پہلے بغداد آگئے تھے یہاں کی مدت اقامت مدائن کے مقابلے میں طویل ہے اور یہیں مدائنی کی شخصیت ابھری اور ان کو کام کرنے کے مواقع فراہم ہوئے۔

اس زمانے میں بغداد ہر علم وفن کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہر طبقے کے اہل علم اپنے

---

[1] تدریب الراوی ص ۵۳۳

قدردانوں کی بدولت پُرسکون اور نشاط انگیز ماحول میں خوش وقت تھے۔ اسی دور میں اسلامی علوم وفنون کی امہات الکتب کی تالیف وتدوین ہوئی۔ مدائنی کو بھی بغداد میں اطمینان وسکون کی فضا میں آگے بڑھنے اور کام کرنے کا موقع ملا۔ ایسے مواقع حسنِ اتفاق سے بہت کم اہلِ علم کو ملتے ہیں۔

اسحٰق بن ابراہیم موصلی کی قدردانی اور نوازش

بغداد میں مدائنی کو اسحٰق موصلی جیسا صاحبِ علم، علم وفن کا قدردان اور محسن مل گیا اور وہ اس کے ندمار و متعلقین میں ایسے شامل ہوئے کہ اسی مکان سے ان کا جنازہ نکلا۔ ابنِ ندیم نے ان کی وفات کے سلسلے میں تصریح کی ہے:

مات المدائنی فی منزل اسحٰق بن ابراھیم الموصلی وکان منقطعاً الیہ[1]

مدائنی کی وفات اسحٰق بن ابراہیم موصلی کے مکان میں ہوئی۔ مدائنی کا ان سے خصوصی تعلق تھا۔

یاقوت نے اس سے واضح انداز میں لکھا ہے:

واتصل باسحٰق بن ابراھیم الموصلی۔ فکان لایفارق منزلہ وفی منزلہ کانت وفاتہ[2]

مدائنی اسحٰق بن ابراہیم موصلی سے یوں گھل مل گئے کہ ان کے مکان سے جدا نہیں ہوتے تھے حتیٰ کہ ان کی وفات وہیں ہوئی۔

ابو محمد اسحٰق بن ابراہیم تمیمی موصلی متوفی ۲۳۵ھ صاحب "کتاب الاغانی" ابتدا میں محدث وفقیہ تھے، انھوں نے حدیث کی روایت سفیان بن عینیہ، ہشیم بن بشیر، ابو معاویہ ضریر وغیرہ سے کی اور ادب وعربیت کی تعلیم اصمعی اور ابو عبیدہ وغیرہ سے

---

[1] الفہرست ص ۱۴۷۔ [2] معجم الادباء ج ۵ ص ۳۰۹۔

سے حاصل کی۔ ان سے زبیر بن بکار، ابوالعیناء، میمون بن ہارون وغیرہ نے روایت کی، علمِ موسیقی وغناء میں مہارت وبراعت کی وجہ سے یہ فن ان کے دیگر علوم پر غالب آگیا اور انہوں نے اس فن میں کتاب الاغانی لکھی اور صاحب الاغانی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ اہل علم وفن کے بڑے قدر دان تھے۔ سخاوت میں نیک نامی اور شہرت رکھتے تھے۔ عباسی خلفاء کے درباروں میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصلی کے آب ودانہ اور بغداد کی خاکِ گور کی کشش نے مدائنی کو مدائن سے بغداد کھینچا تھا۔ موصلی کی قدر دانی اور مدائنی کے تشکر وامتنان کا اندازہ ذیل کے واقعے سے بخوبی ہوتا ہے۔ مدائنی کے تلمیذ اور مشہور حافظِ حدیث امام احمد بن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ میرے والد یحییٰ بن معین اور مصعب بن زبیری تینوں اہلِ علم شام کو مصعب بن زبیری کے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن شام کا واقعہ ہے کہ ان حضرات کے سامنے سے ایک خوش پوش وخوش وضع آدمی موٹے تازے گدھے پر گزرا۔ اس نے مجمع کو سلام کرکے یحییٰ بن معین سے کچھ بات کی۔ ابنِ معین نے اس سے کہا ابوالحسن! کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اسی شریف آدمی کے پاس جارہا ہوں جو میری آستین کو اوپر سے نیچے تک دراہم ودنانیر سے بھر دیتا ہے۔ ابنِ معین نے کہا، ابوالحسن! وہ کون شخص ہے؟ اس نے جواب دیا وہ ابومحمد اسحٰق بن ابراہیم موصلی ہے۔ اس کے بعد جب وہ آدمی چلا گیا تو ابن معین نے دوبار ثقہ ثقہ کہا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا؟ تو بتایا کہ یہ مدائنی ہیں[2]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۳۸۔ [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۳۸۔

یہ واقعہ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں اور یاقوت نے "معجم الادبار" میں اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور دونوں میں مدائنی کے بارے میں ابن معین کا قول "تین بار ثقہ ثقہ ثقہ" ہے[۱]

خلیفہ مامون کے دربار میں

مدائنی کے علم وفضل کی شہرت نے عباسی خلفار وامرار کو بھی ان کی طرف متوجہ کیا۔ عجب کیا ہے کہ عباسی دربار تک مدائنی کی رسائی میں ان کے محسن موصلی کا ہاتھ رہا ہو جو خود بھی خلفار کے نزدیک معظم ومکرم تھے۔ اس سلسلے میں یاقوت نے خلیفہ مامون کے مدائنی کو بلانے اور ان سے علمی وسیاسی گفتگو کرنے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ مدائنی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ مامون (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) نے احمد بن یوسف کو حکم دیا کہ مجھے دربار میں طلب کیا جائے۔ اور جب میں دربار پہنچا تو مامون نے میرے سامنے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ذکر چھیڑا۔ میں نے ان کے بارے میں چند حدیثیں بیان کیں یہاں تک کہ مامون نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بنوامیہ کے لعن طعن کا تذکرہ کیا۔ اس پر میں نے مامون کو بتایا کہ ابو سلمہ مثنی بن عبداللہ (محمد ابن عبداللہ انصاری کے بھائی) نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ان کو ایک شخص نے سنایا کہ میں نے ملکِ شام میں رہتے ہوئے وہاں کسی کا نام علی، حسن، حسین نہیں سنا۔ عام طور سے معاویہ، یزید، ولید نام سنتا تھا۔ ایک مرتبہ میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جو اپنے دروازے پر بیٹھا تھا، مجھے پیاس لگ رہی تھی، میں نے اس سے پانی مانگا، اس نے یا حسن کہہ کر اپنے لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ اس آدمی

---

[۱] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۵۳، معجم الادبار ج ۵ ص ۳۱۰۔

کو پانی پلاؤ، میں نے ازراہِ تعجب اس سے پوچھا کہ تم نے حسن نام رکھا ہے؟ اس نے کہا میں نے اپنے لڑکوں کے نام حسن، حسین، جعفر رکھے ہیں، بات یہ ہے کہ اہل شام اپنی اولاد کے نام اللہ کے خلفاء کے نام پر رکھتے ہیں حالانکہ ہم لوگ اپنی اولاد کو لعن طعن اور سب وشتم سے یاد کرتے رہتے ہیں، اس لئے میں نے اپنے لڑکوں کے نام اللہ کے دشمنوں کے نام پر رکھے ہیں۔ اب اگر میں ان کو ملعنت وملامت سے یاد کروں گا تو یہ لعنت اللہ کے دشمنوں پر ہو گی۔ میں نے کہا کہ میں تم کو اہل شام میں سب سے اچھا سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ اہلِ جہنم میں تم سے بدتر کوئی نہیں ہے۔

مدائنی کہتے ہیں کہ مامون نے یہ واقعہ سن کر کہا:

لاجرم قد ابتعث اللہ علیہم من	اللہ تعالیٰ ایسی جماعت ضرور پیدا کرے گا
یلعن احیاء ھم، واموا تھم،	جو ان کے زندوں اور مردوں پر اور ان کے
ویلعن من فی اصلاب الرجال	صلب ورحم میں رہنے والوں پر لعنت
وارحام النساء، یعنی الشیعة[1]	کرے گی، یعنی شیعہ۔

ابو جعفر احمد بن یوسف متوفی ۲۱۳ھ خلیفہ مامون کے افاضل کتاب (کاتبوں اور سکریٹریوں) میں سے تھا، بڑا ذہین وفطین اور جامع اوصاف، جید الکلام، فصیح اللسان، حسن اللفظ، ملیح الخط اور بہت اچھا شاعر تھا،[2] مامون کا اس کو مدائنی کے بلانے کے لئے حکم دینا کسی خاص وجہ سے تھا۔ یہاں پر یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ مدائنی کا مولد ومنشا بصرہ عثمانی الفکر تھا، اور اہلِ بصرہ شیعہ علی رضؓ کے مقابلے میں شیعہ عثمان رضؓ بن کر بنو امیہ کے حامی و طرف دار تھے۔ شاید خلیفہ مامون کو مدائنی کے عثمانی الفکر ہونے کی خبر ملی ہو اور

---

[1] معجم الادباء ج ۵ ص ۳۱۱۔ [2] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۱۶

اس نے ان کو بلا کر اس بارے میں اپنا خیال ظاہر کیا ہو اور مدائنی کے خیالات معلوم کئے ہوں۔ غالباً مدائنی کے بغداد آنے کے بعد جلد ہی یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

معمر بن اشعث سے متعلق علماء کی سربراہی

مدائنی بغداد کے علمی حلقوں میں معزز و محترم مانے جاتے تھے اور ہر طبقے میں ان کی مقبولیت تھی۔ معمر بن اشعث نامی ایک قدردان کے یہاں چند علماء رہتے تھے، ان میں مدائنی بھی شامل تھے بلکہ ان سب کے سربراہ تھے۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ معمر بن اشعث کے متعلقین و منتسبین میں حفص الفرد، معمر، ابو سمر، ابو الحسن مدائنی، ابو بکر الاصم، ابو عامر عبدالکریم بن روح چھ اہل علم تھے، ان میں مدائنی متکلم تھے[1]

مدائنی اور ابن عائشہ

مدائنی کے ہم وطن اور معاصر علماء میں مشہور محدث ابو عبد الرحمٰن عبید اللہ بن محمد تمیمی بصری متوفی ۲۲۸ھ عیشی، عائشی اور ابن عائشہ کی نسبت و کنیت سے مشہور ہیں، نہایت ثقہ محدث ہونے کے ساتھ اخبار و انساب اور تواریخ کے بھی زبردست عالم تھے۔ ان کا شمار بصرہ کے اعیان و سادات میں ہوتا تھا۔ ان کی سخاوت کا شہرہ عام تھا[2] انہی ابن عائشہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابو الحسن نے میرے پاس آکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے شامی علاقوں پر حملے کا واقعہ بیان کیا اور اسی ضمن میں ان کے رہنما رافع کے بارے میں شاعر کا یہ شعر سنایا ؎

لِلّٰہِ دَرُّ رَافِعٍ اَنّٰی اہتدیٰ فوّز من قر اقر الی سویٰ

خمساً اذا سارھا الجیش بکی

---

[1] الفہرست ص ۱۴۷ - [2] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۴۵ العبر ج ۱ ص ۴۰۲ -

مدائنی کے اس شعر میں لفظ الجیش کہنے پر میں نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ اگر یہاں لفظ جیش ہوتا تو بکیٰ (واحد) کے بجائے بکوا (جمع) کا صیغہ ہوتا، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ مدائنی کا علم کتابوں کے مطالعے کا نتیجہ ہے یعنی انھوں نے اساتذہ سے باقاعدہ نہیں پڑھا ہے۔

ابو احمد عسکری نے اپنی کتاب "التصحیف" میں اس واقعے کو بیان کر کے لکھا ہے کہ "الجیش بکیٰ" صحیح ہے اور ابنِ عائشہ کا یہ کہنا کہ "لو کان الجیش لکان بکوا" وہم ہے۔ جیش کے لئے "بکیٰ" جائز ہے اور اس کو لفظ واحد پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ طفیل غنوی یا اوس بن حجر نے کہا ہے:

ان یلث عار بالقنان ایتۃ فرادی، فان الجیش قد فرّ الجمع[1]

علمِ نحو و عربیت کا یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ اسمِ جنس مثلاً جیش، فوج، قوم، وغیرہ اپنے لفظ کے لحاظ سے واحد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہوتا ہے اور اس کے لئے واحد اور جمع دونوں کے صیغے اور ضمیریں جائز ہیں۔ اگر مذکورہ بالا واقعہ صحیح ہے اور ابن عائشہ نے مدائنی کی روایت میں اسے غلط قرار دیا ہے تو مدائنی کی خاموشی ان کے علمی وقار اور ابن عائشہ کے احترام کی دلیل ہے۔

یہ عہدِ صدیقی میں سنہ ۱۳ھ کا واقعہ ہے کہ جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے قتالِ مرتدین کے بعد شامی مہمات کی طرف رخ کیا اور عین التمر کے بعد بنو کلب کے چشمۂ "قراقر" پر یلغار کی۔ پھر وہاں سے نکل کر بنو کلب کے دوسرے چشمہ "سویٰ" پر حملہ کیا۔ اس مہم میں حضرت خالدؓ کے دلیل اور رہنما رافع بن عمیر طائی تھے جن کے بارے میں شاعر نے کہا:

---

[1] معجم الادباء ج ۵ ص ۳۱۰۔

لله در رافع انیٰ اهتدی — فوزمن قراقر الیٰ سوی

ماء اذا ما رامہ جیش انثنیٰ — ماجازها قبلک من انس یریٰ[1]

مدائنی کے آخری ایام اور انتقال

مدائنی کے جستہ جستہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوش پوش شریف النفس اور با اخلاق و بامروت انسان تھے۔ کھلے ذہن و مزاج کے مالک تھے۔ تصنع اور نام و نمود سے متنفر تھے۔ اپنے محسنوں کے حسن سلوک کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ اپنے بڑوں کے ادب و احترام میں آگے تھے، اس لئے اہل علم، خلفاء اور امراء میں یکساں مقبول تھے اور زہد و تقویٰ کی حد تک اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ زندگی کے آخری حصے میں یہ رنگ اور بھی نکھر گیا تھا اور مسلسل روزہ رکھنے لگے تھے۔ ان کے تلمیذ حارث بن ابو اسامہ کا بیان ہے:

انه سرد الصوم قبل موته	مدائنی اپنے انتقال سے تین سال پہلے سے
بثلاث سنین وانه کان قد	مسلسل روزہ رکھتے تھے، حالانکہ ان کا
قارب مائۃ سنۃ فقیل له	سن سنو سال کے قریب کا ہو چکا تھا۔
فی مرضه. ماتشتھی؟ فقال	مرض الموت میں پوچھا گیا کہ آپ کی کیا
اشتھی ان اعیش[2]	خواہش ہے؟ تو کہا کہ زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

اور سمعانی اور یاقوت کی روایت میں تین[3] سال کی بجائے تیس[3] سال روزہ رکھنے کی تصریح ہے۔

ان ابا الحسن المدائنی سرد	ابو الحسن مدائنی انتقال سے تیس[3] سال
الصوم قبل موته بثلاثین سنۃ[3]	پہلے سے مسلسل روزہ رکھتے تھے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۱۸۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۵۵۔ [3] کتاب الانساب ج ۱ ص ۵۱۵ معجم الادباء ج ۵ ص ۳۰۹

بلکہ ذہبی اور ابن العماد نے مستقل روزہ رکھنے کی تصریح کی ہے:

وکان یسرد الصوم[1] — مدائنی برابر روزہ رکھا کرتے تھے۔

بڑھاپے کی آخری منزل میں جینے کی تمنا بظاہر روزہ اور دوسرے نیک اعمال کے لئے تھی۔ حدیث شریف میں اس مومن کے لئے بشارت آئی ہے جس کی عمر میں زیادتی کے ساتھ نیکی میں بھی کثرت ہو۔

مدائنی کا وصال بغداد میں ان کے محسن اسحٰق بن ابراہیم کے مکان میں ذی قعدہ ۲۲۴ھ یا ۲۲۵ھ کو ہوا، اس وقت ان کی عمر نوے ۹۰ سال سے زائد تھی، ذہبی نے العبر میں، ابن العماد نے شذرات الذہب میں ۲۲۴ھ بتایا ہے، جب کہ خطیب، سمعانی یاقوت اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں ۲۲۴ھ اور ۲۲۵ھ دونوں سنین علیٰ اختلاف الروایہ نقل کئے ہیں، ابن ندیم نے صرف ۲۲۵ھ لکھا ہے، ابن ندیم کا بیان ہے،

مات المدائنی سنة خمس	مدائنی ۲۲۵ھ میں فوت ہوئے
وعشرین ومائتین، وله ثلاث	اس وقت ان کی عمر ترانوے ۹۳ سال
وتسعون سنة فی منزل اسحٰق	تھی، ان کا انتقال اسحٰق بن ابراہیم
بن ابراهیم الموصلی وکان	موصلی کے مکان میں ہوا، ان کے
منقطعا الیه[2]	موصلی سے خصوصی تعلقات تھے۔

انتقال کے وقت مدائنی کی عمر کے بارے میں سب ہی تذکرہ نویس ترانوے ۹۳ سال کی تصریح کرتے ہیں، جب کہ خود مدائنی کے بیان کے مطابق ان کی پیدائش ۱۳۵ھ میں ہوئی تھی، اس کی رو سے ۲۲۴ھ یا ۲۲۵ھ میں انتقال کے وقت ان

---

[1] العبر ج ۱ ص ۳۹۱ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۵۴۔

[2] ۱۰۳۔ الفہرست ص ۱۴۷۔

کی عمر نوّے سال کی ہونی چاہئے۔

اقران ومعاصرین کی نظر میں

مدائنی ابتدا میں محدّث کی حیثیت سے ابھرے اور انتہا میں اخباری کی حیثیت سے متعارف ہوئے، اور علمائے حدیث کی طرح علمائے اخبار واحداث میں ثقہ ومستند تسلیم کئے گئے، اور ان کے معاصرین نے ان کے صدق وثقاہت کا برملا اعتراف واظہار کیا، گزرچکا ہے کہ ایک مرتبہ مدائنی حافظ ابوخثیمہ زہیر بن حرب متوفی ۲۳۴ھ امام یحیٰی بن معین متوفی ۲۳۲ھ اور امام مصعب بن عبداللہ زبیری متوفی ۲۳۶ھ کی مجلس سے گزرے تو امام الجرح والتعدیل یحیٰی بن معین نے ان کے بارے میں تین بار ثقہ ثقہ ثقہ فرمایا، اور حاضرین نے خاموشی سے اس کی تائید وتصدیق کی۔

مذکورۂ بالا واقعہ کے راوی مدائنی کے شاگرد احمد بن ابی خثیمہ زہیر بن حرب ہیں، ان کا بیان ہے کہ۔

قال لی یحیٰی بن معین غیر مرۃ اکتب عن المدائنی کتبہ

ابن معین نے بارہا مجھ سے کہا کہ تم مدائنی کی کتابیں لکھا کرو اور ان سے ان کی روایت کرو۔

امام ابوقلابہ رقاشی (عبدالملک بن محمد بصری متوفی ۲۷۶ھ) کا بیان ہے کہ میں نے ابوعاصم النبیل (ضحاک بن مخلد بصری متوفی ۲۱۸ھ) کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انھوں نے کہا کہ یہ حدیث کس کی سند سے ہے، اور اس کے راوی کون لوگ ہیں؟ یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے، میں نے کہا کہ اس کی سند نہیں ہے، البتہ اسے ابوالحسن مدائنی نے مجھ سے بیان کیا ہے، ابوعاصم النبیل نے یہ سُنتے ہی کہا۔

سبحان اللہ ابوالحسن اسناد[1]

سبحان اللہ ابوالحسن خود ہی سند ہیں،

(حاشیہ آگے صفحہ پر)

یہ چاروں ائمۂ دین اپنے دور میں آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب تھے، انھوں نے مدائنی کو سند و ثقہ قرار دے کر ان کے علم و فن کے معتبر و مستند ہونے کی شہادت دی ہے، البتہ ان کے ایک معاصر محدث و مورخ ابن عائشہ (عبید اللہ بن محمد بصری متوفی ۲۳۸ھ) نے ان سے ایک شعر سن کر اپنے خیال کے مطابق ایک غلطی نکالی اور اسی کی بنا پر ان کے بارے میں کہا۔

وعلمتُ ان علمه من	میں سمجھ گیا کہ مدائنی کا علم کتابی ہے
الصحف۔ [۱]	(درسی نہیں ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ ابن عائشہ کے خیال میں مدائنی نے شیوخ و اساتذہ سے روایت کرنے کے بجائے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اور اپنے طور پر ان کو سمجھا ہے، مگر اس واقعہ کے ناقل ابو احمد عسکری نے اس کو ابن عائشہ کا وہم قرار دے کر مدائنی کی تائید و توثیق کی ہے، مشہور اخباری عالم ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی متوفی ۲۴۵ھ مدائنی کے متاخر الوفاۃ معاصر ہیں، انھوں نے کتاب المحبّر میں (ص ۵۲۱) وقال المدائنی، کہہ کر روایت کی ہے،

مشہور امام نحو ثعلب (ابو العباس احمد بن یحییٰ نحوی متوفی ۲۹۱ھ) اگرچہ مدائنی کے معاصرین میں سے نہیں، مگر انھوں نے اپنے ابتدائی ایام میں مدائنی کا آخری زمانہ پایا ہے ان کا قول ہے،

من اراد اخبار الجاهلية	جو شخص زمانۂ جاہلیت کی تاریخ معلوم
فعليه بكتب ابى عبيدة	کرنا چاہے وہ ابو عبیدہ کی کتابیں

حاشیہ اگلے صفحہ کا،

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۴۔

حاشیہ اس صفحہ کا

[۲] معجم الادباء ج ۵ ص ۳۱۰۔

ومن اراد اخبار الاسلام فعلیه بکتب المدائنی[۱]

پڑھے اور جو شخص زمانۂ اسلام کی تاریخ معلوم کرنا چاہے وہ مدائنی کی کتابیں پڑھے۔

علامہ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ اخباری متوفی ۲۱۰ھ اخبار و تواریخ کے مشہور عالم و مصنف ہیں، قریش کی شاخ قبیلہ بنو تیم کے غلام ہیں، خاندان فارس کا تھا، مدائنی کے معاصر ہیں، انھوں نے بھی عجم کی فتوحات پر کتاب فتوح خراسان، کتاب فتوح آرمینیہ اور کتاب فتوح الاھواز تصنیف کی ہے[۲]

محدثین کے نزدیک مدائنی کا مقام و مرتبہ

مدائنی محدثین کے زمرے سے نکل کر علمائے اخبار و احداث میں شامل ہو گئے تھے، اس لئے بعد میں محدثین نے ان کو اخباری کی حیثیت دیدی، وہ خود بھی حدیث کی روایت کے بجائے تواریخ و انساب کی تدوین و روایت میں مصروف ہو گئے۔ ابن عدی نے "الکامل فی الضعفاء" میں ان کے بارے میں لکھا ہے،

لیس بالقوی فی الحدیث وھو صاحب اخبار، قل ماله من الروایات المسندۃ[۳]

مدائنی حدیث میں قوی نہیں ہیں، وہ صاحبِ اخبار ہیں، ان کے یہاں مسند احادیث قلیل ہیں۔

ذہبی نے ابن عدی کا یہ قول میزان الاعتدال میں صرف نقل کر دیا ہے، البتہ انھوں نے "المغنی فی الضعفاء" میں اس کے ساتھ اپنی یہ رائے بھی لکھی ہے۔

المدائنی الاخباری صدوق قال ابن عدی لیس بالقوی[۴]

مدائنی اخباری صدوق ہیں ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں،

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۵۔ [۲] الفہرست ص ۷۹۔
[۳] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۵۳۔ [۴] المغنی فی الضعفاء ج ۲ ص ۴۵۴

بخلاف اس کے ذہبی نے کتاب العبر میں صرف یہ لکھا ہے۔

وثقۃ ابن معین وغیرہ [1] — یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے

ابن العماد نے بھی شذرات الذہب میں یہی لکھا ہے [2]، اور یاقوت نے لکھا ہے،

وکان ثقۃ اذا حدث عن الثقات۔ [3] — مدائنی جب ثقات سے روایت کریں تو وہ ثقہ ہیں۔

محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کے یہ آراء و اقوال مدائنی کے حق میں احادیث کی روایت کے بارے میں ہیں، جن میں ان کو ثقہ، سند، صدوق بتایا گیا ہے اور چونکہ انھوں نے اخبار و احداث کو اپنا خاص موضوع بنا لیا تھا، اس لئے احادیث و آثار کی روایت نہیں کی، اور نہ ہی مسند احادیث کا اہتمام کیا، یہی وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک وہ اخباری رہے اور اس بارے میں ان کی ذات ثقہ، صدوق، سند اور قابلِ اعتماد ہے، صرف ان کی ایک مسند حدیث میزان الاعتدال میں یوں آئی ہے۔

روی عن جعفر بن ھلال،	مدائنی نے جعفر بن ہلال سے روایت کی،
عن عاصم الاحول عن ابی	انھوں نے عاصم الاحول سے، انھوں نے ابو عثمان
عثمان عن ابی اسامۃ قال:	سے، انھوں نے ابو اسامہؓ سے کہ نبی کریم صلی
کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اللہ علیہ وسلم مجھے اور حسن بن علی کو اٹھاتے تھے
یحملنی والحسن بن علی	اور فرماتے تھے اے اللہ! میں ان دونوں
ویقول: اللھم انی احبھما	سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان کو
فاحبھما۔	محبوب رکھ۔

مدائنی نے فن تاریخ کو اپنی علمی سرگرمی کا محور بنا کر اس کی روایت و سند

---

[1] العبر ج ۱ ص ۳۹۱۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۵۴۔ [3] معجم الادباء ج ۵ ص ۳۱۰۔

میں محدثانہ انداز اختیار کیا، اور تدلیس یا رواۃ کی جہالت سے بچنے کی کوشش کی، چنانچہ ابوالیقظان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ ان سے روایت وسند میں ان کا نام کئی طرح سے لیتا ہوں اور ابوالیقظان، سحیم، ابن حفص، عامر بن ابو محمد، عامر بن اسود، سحیم بن اسود، عبیداللہ بن حفص، اور ابواسحٰق سے میری مراد ابوالیقظان ہی ہوتے ہیں۔ [۱]

مدائنی بحیثیت اخباری و مؤرخ

مدائنی کے شیوخ واساتذہ میں اکثر ائمہ حدیث ہیں جن میں سے بعضوں نے حدیث کے ساتھ سیر ومغازی اور تواریخ سے بھی اعتنا کیا، خاص طور سے قاضی علی بن مجاہد کابلی متوفی ۱۸۰ھ صاحب المغازی، موسیٰ بن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ صاحب المغازی، ابو معشر سندی مدنی متوفی ۱۷۰ھ صاحب المغازی، ابوبکر ہذلی مصری متوفی ۱۶۷ھ، عالم تواریخ وانساب، ابوالیقظان متوفی ۱۹۰ھ، عالم انساب عرب، مؤخرالذکر کے علاوہ یہ سب حضرات علم حدیث کے شیوخ ہونے کے ساتھ تواریخ کے مستند ائمہ ہیں، اور مدائنی کی طرح علی بن مجاہد کابلی اور ابو معشر سندی طبقۂ موالی سے ہیں، ان کا آبائی ونسلی تعلق بھی مدائنی کے آبائی ونسلی وطن سے ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی شیوخ سے متاثر ہوکر مدائنی کا اشہب قلم تواریخ وانساب، اخبار واحداث اور غزوات فتوحات کے میدان کی طرف مڑ گیا، اور اسکی وسعت اور رنگینی نے باہر نکلنے نہ دیا، اسی لئے مدائنی کے تلامذہ کی کثرت ائمہ تاریخ کی ہے، ان کا تمام تر تصنیفی سرمایہ اخبار واحداث پر مشتمل ہے، اور وہ بعد میں اخباری کی نسبت سے مشہور ہوئے، ان کے سب سے پہلے تذکرہ نگار ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے کتاب

---

[۱]:- الفہرست ص ۱۲۸،

المعارف میں ان کا ذکر علمائے تاریخ میں کر کے لکھا ہے۔

والاغلب علیه روایة الاخبار[1]۔	مدائنی پر اخبار کی روایت کا غلبہ ہے،

ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب متوفی ۲۹۱ھ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔

من اراد اخبار الجاهلیة فعلیه بکتب ابی عبیدة ومن اراد اخبار الاسلام فعلیه بکتب المدائنی۔	جو شخص زمانۂ جاہلیت کی تاریخ پڑھنا چاہے اس کو ابو عبیدہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں، اور جو شخص اسلامی تاریخ پڑھنا چاہے اسکو مدائنی کی کتابیں پڑھنی چاہئیں۔

خطیب اور سمعانی نے لکھا ہے۔

وکان عالما بایام الناس واخبار العرب وانسابهم عالما بالفتوح والمغازی ورواية الشعر صدوقا فی ذالك[2]۔	مدائنی ایام ناس، اخبار عرب اور انساب عرب کے عالم تھے، اسی طرح فتوح ومغازی کے عالم اور شعر کے راوی تھے، ان علوم میں صدوق وثقہ تھے۔

ذہبی نے العبر میں ان کا تعارف "الاخباری۔ صاحب التصانیف۔ والمغازی والانساب" کے الفاظ سے کرایا ہے، اور میزان الاعتدال میں الاخباری صاحب التصانیف اور المغنی فی الضعفاء میں الاخباری صدوق لکھا ہے، سمعانی نے کہا ہے وھو صاحب الکتب المصنفة اور شذرات الذہب میں بھی الاخباری، صاحب التصانیف، والمغازی والانساب ہے، الغرض مدائنی کے تذکرہ نویسوں نے ان کو اخبار واحداث۔ سیر ومغازی

---

[1] المعارف ص ۲۳۴۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۵، کتاب الانساب ج ۱۲ ص ۵۱۵

انساب، عرب، اشعار عرب اور فتوحات میں صاحب الکتب المصنفہ اور ان علوم کا امام مانا ہے، اور ان ہی میں ان کو شہرت و ناموری ملی۔

تاریخی تصانیف

مدائنی کی زندگی کے ابتدائی ۵۶ سال دوسری صدی میں اور آخری پچیس ۲۵ سال تیسری صدی کے ربع اوّل میں گزرے، یہ زمانہ اسلامی علوم و فنون کی تالیف و تدوین کا دور شباب ہے اس میں ائمہ علم و فن نے اپنے زمانہ تک کے علوم و فنون کو سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا، چنانچہ فن تاریخ میں بھی خوب خوب اور طرح طرح سے کام ہوا، درحقیقت اسی دور کی تصانیف بعد کے مصنفین کا ماخذ بنیں اور ان کو امہات الکتب کا درجہ ملا۔

اس دور میں مدائنی کے اساتذہ، تلامذہ اور معاصرین میں فن تاریخ کے عظیم مصنف پیدا ہوئے، مثلاً ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی متوفی ۱۵۷ھ صاحب کتاب فتوح العراق جن کے بارے میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے، وکان صاحب اخبار و انساب، والاخبار علیہ اغلب، ہشام بن محمد بن سائب کلبی متوفی ۲۰۴ھ صاحب کتاب الجمہرۃ فی النسب (وھو من محاسن الکتب فی ہذا الفن) (ابن خلکان ج ۲ ص ۲۳۲) انھوں نے تاریخ و انساب میں ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں لکھیں،

محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ صاحب کتاب فتوح العراق وکتاب التاریخ وکتاب المغازی، ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ متوفی ۲۱۰ھ یا ۲۱۱ھ۔

محمد بن سعد بغدادی کاتب الواقدی متوفی ۲۳۰ھ صاحب الطبقات،

زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ صاحب کتاب جمہرہ نسب قریش واخبارہا،

مصعب بن عبداللہ زبیری متوفی ۲۳۶ھ۔

خلیفہ بن خیاط بصری متوفی ۲۴۰ھ صاحب الطبقات والتاریخ

ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری بغدادی متوفی ۲۸۰ھ صاحب انساب الاشراف

وفتوح البلدان۔

احمد بن اسحٰق بن جعفر یعقوبی صاحب کتاب التاریخ وکتاب البلدان۔

عمر بن شبہ بصری متوفی ۲۶۳ھ اخباری صاحب التصانیف،

محمد بن صالح بن مہران بصری متوفی ۲۵۲ھ صاحب کتاب الدولہ۔

یہ تمام علمائے تاریخ وانساب صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، خصوصاً غزوات وفتوحات پر انھوں نے چھوٹی بڑی کتابوں کے انبار لگائے ہیں، جن میں بلاد اسلامیہ کی فتوحات کی طرح ہندوستان کی فتوحات کا بھی ذکر ہے، چنانچہ تاریخ خلیفہ بن خیاط تاریخ یعقوبی اور بلاذری کی فتوح البلدان سے اگر ہندوستان کی اسلامی تاریخ مرتب کی جائے تو اچھی خاصی کتاب تیار ہوسکتی ہے، واقدی نے اخبار فتوح بلاد السند نامی اپنی کتاب یا کسی کتاب کے باب میں حضرت امیر معاویہؓ کے امیر سندھ عبداللہ بن سوار عبدی کی خدمت میں راجۂ قیقان کو تحفہ وہدیہ بھیجنے کا ذکر کیا ہے، اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں حضرت ربیع بن صبیح بصری متوفی ۱۶۰ھ کے ہندوستان میں انتقال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ خبر مجھے بصرہ کے ایک شیخ نے دی ہے جو ان کے ساتھ موجود تھے۔

خلیفہ نے ابوعبیدہ معمر بن مثنّیٰ کی روایت سے محمد بن قاسم کی ولایت سندھ کا ذکر کرکے عون بن حسن بن کہمس بصری سے ان کے والد کے غزوۂ سندھ میں شریک ہونے کا ذکر کیا ہے، اور بلاذری نے فتوح السند کے باب میں ہشام بن الکلبی سے روایت کی ہے، اگر ان قدیم علمائے تاریخ کی کتابیں ناپید نہ ہوئی ہوتیں تو ہم کو ان سے ہندوستان کے بارے میں نہایت مستند ونادر اور اہم معلومات حاصل ہوتیں، اس سلسلہ میں اس دور کے مشہور ادیب وفلسفی اور صاحب طرز مصنف جاحظ (ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب بصری متوفی ۲۵۵ھ) کا ذکر بھی ضروری ہے، جس نے کتاب الحیوان

کتاب البیان والتبیین اور دیگر کتب ورسائل میں ہندوستان کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات درج کی ہیں، جن کا تعلق اگرچہ یہاں کی فتوحات وغزوات سے نہیں ہے، مگر یہاں کے بارے میں اس انداز کی معلومات دوسرے مصنفین کی کتابوں میں نہیں ہیں،

اسی طبقہ میں مدائنی کا بھی شمار ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ تاریخ وانساب اور فتوح کی مختلف الانواع تصانیف کثیرہ میں اپنے طبقہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، اور اس کارواں کے سرخیل نظر آتے ہیں، ابن ندیم نے الفہرست میں ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۲ تک پانچ صفحات میں ان کی تاریخی تصانیف کے نام درج کئے ہیں، اور یاقوت نے معجم الادباء میں ابن ندیم کے حوالہ سے ان کو نقل کیا ہے، جن کی مجموعی تعداد دو سو سترہ [۲۱۷] سے زائد ہے، ابن ندیم نے حسب ذیل عنوانات کے ماتحت مدائنی کی کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

(۱) کتبہ فی اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۹	کتابوں کے نام
(۲) کتبہ فی اخبار قریش	۲۱	"
(۳) کتبہ فی اخبار مناکح الاشراف واخبار النساء	۲۳	"
(۴) کتبہ فی اخبار الخلفاء	۷	"
(۵) کتبہ فی الاحداث	۲۶	"
(۶) کتبہ فی الفتوح	۲۷	"
(۷) کتبہ فی اخبار العرب	۱۰	"
(۸) کتبہ فی اخبار الشعراء	۳۲	"
(۹) ومن کتبہ المولفہ	۴۵	"

اور کتبہ فی الفتوح کے ذیل میں خالص اسلامی ہند کی تاریخ پر ان تین کتابوں کے نام ہیں۔ (۱) کتاب ثغر الہند (۲) کتاب عمال الہند (۳) کتاب

فتح مکران ۔[1]

افسوس کہ مدائنی کی دو سو سے زائد کتابوں میں سے کوئی کتاب آج موجود نہیں ہے۔ ورنہ ان کی تصانیف خصوصاً مذکورہ تینوں کتابوں سے اسلامی ہند کی ابتدائی تاریخ کا نہایت مستند و معتبر ذخیرہ ہمارے پاس ہوتا، واقعہ یہ ہے کہ مدائنی اسلامی ہند کے ہند کے سب سے پہلے مورخ اور اپنے معاصر مؤرخوں میں ہندوستان کی تاریخ کے سب سے بڑے عالم و مصنّف تھے، جیسا کہ ابن ندیم نے ابو مخنف لوط بن یحییٰ متوفی ۱۵۷ھ کے تذکرہ میں علمائے تاریخ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قالت العلماء: ابو مخنف بامر العراق واخبارها وفتوحها يزيد على غيره، والمدائني بامر خراسان والهند وفارس، والواقدي بالحجاز والسيرة وقد اشتركوا في فتوح الشام۔[2]	علماء نے کہا ہے کہ ابو مخنف عراق کے امور و اخبار اور فتوحات کا دوسروں سے زیادہ علم رکھتے تھے، اور مدائنی خراسان و ہند اور فارس کے معلومات میں دوسروں پر فائق ہیں اور واقدی حجاز اور سیر و مغازی کے علم میں دوسروں سے آگے ہیں، اور شام کی فتوحات میں سب شریک ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مدائنی کے تلامذہ بھی اس بارے میں اپنے طبقہ میں ممتاز ہیں اور اپنی کتابوں میں ہندوستان کی فتوحات وغیرہ کا تذکرہ کثرت سے کرتے ہیں، خلیفہ بلاذری اور یعقوبی کی کتابیں خوش قسمتی سے زمانہ کی غارت گری سے محفوظ رہ گئی ہیں، جو اس دعوے کی بہترین دلیل ہیں۔

مدائنی نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر ان تین مستقل کتابوں کے علاوہ اپنی

---

[1] الفہرست ص ۱۵۰

[2] الفہرست ص ۱۳۷

دیگر تصانیف میں بھی بہت کچھ لکھا ہوگا، اخبارِ خلفاء اور اخبار عرب کے سلسلہ کی کتابوں میں خصوصاً کتاب اخبار ثقیف اور کتاب فتوح خراسان میں یہاں کے حالات ہوں گے۔

بعد کے مؤرخوں نے مدائنی کی روایات اپنی کتابوں میں درج کرکے ان کے تاریخی سرمایہ کا کچھ حصہ محفوظ کرلیا ہے، طبری نے تقریباً پانچ سو روایات مدائنی کی بیان کی ہیں، جن کا تعلق زیادہ تر خراسان اور عراق کی فتوحات سے ہے، ایک مقام پر محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ کے سلسلہ میں مدائنی کی روایت سے ہلواث کلبی مدائنی کا ایک واقعہ لکھا ہے، بلاذری نے انساب الاشراف میں مدائنی کے حوالہ سے بہت سے واقعات و روایات کو بیان کیا ہے، اور فتوح البلدان میں کم از کم پچیس[۲۵] مقامات پر مدائنی کی روایات درج کی ہیں، اور اس کے باب فتوح السند کی ابتداء مدائنی کی روایات سے یوں کی ہے، اخبرنا علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف

اس کے بعض مقامات میں تصدیق یا اختلاف کی غرض سے ابن الکلبی، ابو بکر ہذلی اور منصور بن حاتم نحوی کے بیانات بھی نقل کئے ہیں، یعقوبی نے اپنی تاریخ میں سندھ کے حالات درج کئے ہیں، مگر اس میں مدائنی کے نام سے کوئی روایت نہیں ہے، البتہ پوری کتاب میں بعض مقامات پر مدائنی کا نام موجود ہے۔

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں پچاس[۵۰] سے زائد مقامات پر مدائنی کی روایات ان کے نام کے ساتھ درج کی ہیں، مگر ہندوستان کے واقعات میں ان کا نام ایک جگہ بھی نہیں ہے،

چچ نامہ محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ پر مشہور کتاب ہے، اس کے محرف و مصحف مطبوعہ نسخہ میں مدائنی کی تیرہ[۱۳] روایات ہیں، اور دو[۲] روایتیں محمد بن حسن، اور محمد بن حسن مدنی کے نام کی ہیں، یہ غالباً ابو الحسن علی بن محمد مدائنی کی تحریفی شکل ہے۔